Laila
Roohi

پنڈت جی

ہندوستان کے مایۂ ناز ناول نویس شرت چندر چیٹرجی کا شاہکار

مترجمہ

گوپال متل بی اے

۱۹۴۲ء

پبلشرز مسیرز لاجپت رائے اینڈ سنز لاہور

قیمت ۱۲/

باراول

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور

باہتمام پرنٹر پبلشر
سوم پرکاش ساہنی
نے لوہاری دروازہ سے شائع کی

دیباچہ

شرت چندر چیٹر جی سے اُردو خواں پبلک اب کافی حد تک روشناس ہو چکی ہے۔ ان کے بعض ناولوں یعنی "دیوداس" اور "بڑی دیدی اور منجھلی دیدی" کے تراجم میں نیشنل اکاڈمی کی طرف سے پیش کر چکا ہوں۔ پبلک نے جس گرمجوشی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ اُردو خوان پبلک بھی شرت چندر کی پرستاری میں کسی اور پبلک سے پیچھے نہیں ؞

"پنڈت جی" بھی اسی لافانی فنکار کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے اور اس کے بہترین ناولوں میں متصوّر ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ میری اپنی ناچیز کوششوں کا نتیجہ ہے اور اشاعت میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز کے زیر اہتمام ہو رہی ہے جو ہندوستان میں اُردو زبان کے بہترین ناشروں میں شمار ہوتے ہیں۔ اُمید ہے کہ "دیوداس" اور "بڑی دیدی اور منجھلی دیدی" کی طرح پنڈت جی کا بھی پبلک کی طرف سے فراخدلانہ استقبال کیا جائیگا ؞

گوپال متّل

پہلا باب

گنج وشنو کی چھوٹی بہن کُسم کے بچپن کی تاریخ اتنی ڈراؤنی اور المناک تھی کہ اُس کی یاد ہی سے وہ شرم، ندامت اور دُکھ کے مارے زمین میں گڑ جاتی تھی۔ جب وہ دو برس کی ننھی بچی تھی تو اس کے باپ کا دیہانت ہو گیا تھا۔ اور ماں نے بھیک مانگ کر اپنے لڑکے اور لڑکی کو پالا پوسا تھا۔ پھر جب وہ پانچ برس کی ہوئی تو لڑکی کو حسین دیکھ کر باڈل گاؤں کے ایک امیر آدمی گور داس ادھیکاری نے اپنے بیٹے برندابن کے ساتھ اُس کا بیاہ کر دیا۔ لیکن بیاہ کے تھوڑے ہی دنوں بعد کُسم کی ودھوا ماں کی از حد بدنامی پھیلی، اس لئے گور داس نے کُسم کو چھوڑ کر اپنے لڑکے کا دُوسرا بیاہ کر دیا۔

کُسم کی ماں مصیبت زدہ اور غریب ہونے کے باوجود بہت خود دار تھی۔ وہ بھی غصے میں آ کر اپنی لڑکی کو دُوسری جگہ لے گئی اور اُسی مہینے میں ایک دُوسرے اصل ویراگی کے ساتھ اُس کی کنٹھی بدلی کی رسم ادا کر دی۔ لیکن چھ ماہ کے اندر ہی وہ اصل ویراگی عالمِ عقبیٰ کو سدھار گئے۔

لیکن کُسم کی ماں کے سوا اور کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ لوگ کون تھے یا کس گاؤں کے رہنے والے تھے۔ حتّٰی کہ کُنج بھی اس بات سے ناآشنا تھا۔ اُس کی ماں کسی کو بھی اپنے ساتھ نہیں لے گئی تھی۔ کُسم کی فی الحقیقت اُس بیراگی سے کنٹھی بدلی گئی تھی یا یہ صرف لوگوں کی بات ہی بات تھی۔ یہ بھی کوئی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا تھا۔ یہ سب باتیں کُسم کی سات برس کی عُمر میں ہی ہوگئیں۔ اُسی وقت سے کُسم بیوہ تھی۔ مختصراً یہی اُس کے بچپن کی تاریخ ہے۔ اب وہ ۱۶ سولہ برس کی دوشیزہ تھی۔ حُسن اُس کے ہر عضو سے پھوٹا پڑتا تھا۔ اُس میں خوبیاں بھی ویسی ہی تھیں اور کام کاج کرنے میں بھی وہ ماہر اور ہوشیار تھی۔ اور پھر لکھنا پڑھنا بھی جانتی تھی۔ کسی بہت بڑے آدمی کے گھر کے لئے بھی وہ شاید غیر موزوں نہ تھی۔

ادھر برنداابن کے باپ اور اُس کے بعد اُس کی عورت بھی مر گئی۔ اسوقت ان کی عُمر بھی پچیس چھبیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ اب وہ پھر کُسم کو اپنے گھر لے آنا چاہتے تھے۔ پچاس روپے نقد، پانچ جوڑے دھوتی دوپٹے، اور کُسم کے لئے پانچ سونے کے اور ۱۰۰ سو چاندی کے زیور دینے کے لئے بھی وہ تیار تھے۔ غریب کُنج ناتھ لالچ میں پڑ گیا تھا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ کُسم رضامند ہو جائے لیکن وہ تھی کہ دھیان ہی نہ دیتی تھی۔ ماں باپ کا سایہ سر پر نہ تھا۔ دونوں بھائی بہن ایک جھونپڑی میں رہتے تھے، جو گاؤں میں براہمنوں کے محلّے کے اندر ہی واقع تھی۔ بچپن ہی سے کُسم براہمنوں کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی کودتی آرہی تھی،

اُنہی کے ساتھ وہ اتنی بڑی ہوئی تھی۔ اور اُنہی کے ساتھ ہر پنڈت کی پاٹھشالہ میں وہ پڑھی تھی۔ اب بھی وہ برہمن زادیاں اس کی سگی سہیلیاں تھی۔ اس لئے ان سب باتوں کا خیال کرکے اس کا تمام جسم نفرت اور شرم سے کانپ اُٹھتا تھا۔ ملیریا اور ہیضے سے نیم بسمل بنگال میں عورتوں کو بیوہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ اُس کی بچپن کی سہیلیوں میں سے کتنی ہی اس کے مانند ہاتھوں کی چوڑیاں توڑ کر اور مانگ کا سیندھور مٹا کر واپس اپنی جنم بھومی میں لوٹ آئی تھیں۔ اُن میں سے کوئی اُسکا مکر گنگا جل تھا اور کوئی مہا پرشاد۱؎

چھی، چھی، اگر میں اپنے بھائی کی بات مان لوں، تو بھلا اس گاؤں میں زندگی بھر کبھی اپنا سیاہ مُنہ دکھا سکوں گی!

کُنج نے کہا:۔ "بہن، تم میری بات مان لو۔ سچ پوچھو تو برندا بن ہی تمہارے اصل خاوند ہیں"۔

کُسم نے بگڑ کر جواب دیا:۔ "میں اصل نقل کچھ نہیں جانتی بھیّا! صرف یہی جانتی ہوں کہ میں بِدھوا ہوں۔ مجھے بھی کیا تم نے کُتّا، بلی سمجھ رکھا ہے کہ جو مرضی ہوگی وہی کر گزروں گی! اُدھر بیاہ اور اِدھر کنٹھی بدلی! اب پھر بیاہ ہو اور پھر کنٹھی بدلے! جاؤ، اب میرے سامنے ایسی باتیں نہ

۱؎ بنگال میں عورتیں اپنی سہیلیوں کا خاص نام رکھ لیتی ہیں اور اُنہیں اسی نام سے پکارتی ہیں۔ گہری دوستی ہی میں اس طرح کے نام رکھے جاتے ہیں۔ (مترجم)

کرنا۔ باڈل والے میرے کوئی نہیں ہیں، میرے سوامی مرچکے ہیں اور میں ودھوا ہوں"۔

بیچارہ کنج جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ اپنی تعلیم یافتہ اور تُند مزاج بہن کے سامنے وہ سٹپٹا جاتا تھا۔ لیکن وہ ایک اور نقطہ نگاہ سے بھی سوچتا تھا —— وہ بہت غریب ہے، اُس کے پاس یہی دو جھونپڑیاں ہیں اور اُن سے ملا ہُوا آم اور کٹھل کا چھوٹا سا باغیچہ۔ اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اِس لئے اتنے نقد روپے اور اتنی دھونیاں، دوپٹے اُس کے لئے معمولی بات نہ تھی۔ اگر اس طمع سے قطع نظر بھی کر لی جائے، تو اپنی محبت کی واحد حصّہ دار —— چھوٹی بہن کو کسی اچھی جگہ آباد اور خوش و خرم دیکھ کر وہ خود بھی مسرور ہونا چاہتا تھا۔

اُن لوگوں کی برادری میں کنٹھی بدلنے کا رواج ہے، اسی لئے اُس کی ماں یہ رسم کر گئی تھی۔ لیکن یہ بات کنج کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ جب ماں مرچکی ہے اور کُسُم کا شوہر برندابن اُسے پھر اپنے یہاں لے جانے کے لئے تیار ہے —— اتنی منت سماجت کر رہا ہے، منا رہا ہے، تو کُسُم کیوں ایسے سُنہرے موقعے کو ہاتھ سے گنوائے؟ وہ کیوں اُس کی طرف دھیان نہیں دیتی؟ صرف سماج کے ٹھیکیداروں اور فوجداروں کی منظوری لے کر تھوڑا سا مالسا بھوگ ہی تو دینا ہے!

لہ مالسا ایک رسم ہے یعنی مٹی کے کونڈے میں دہی وغیرہ بھر کر پہلے بھگوان کی نذر کرتے ہیں اور پھر وہی سب کو بانٹ دیتے ہیں جیسے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں "بیوی جی کا کونڈا" معروف ہے۔

Done.

شادی کا تمام خرچ تو برندابن ہی دینگے - اس کے بعد وہ تمام تکالیف و مصائب سے آزاد ہو کر عیش و راحت میں رانی بن کر زندگی بسر کرے گی۔ کُسم بھی کیسی احمق ہے! آہا، اگر وہ خود کُسم ہوتا ——— ! بس کُنج روزانہ اسی قسم کی باتیں سوچا کرتا ؞

وہ پھیری کا کام کرتا تھا۔ ایک بڑے سے ٹوکرے میں سُوت کے ازار بند، مالا، کنگھی، سیندھور، خوشبو دار تیل، پوڈر، بچّوں کے لئے کھلونے وغیرہ کئی قسم کی چیزیں سر پر رکھ کر روزانہ دو چار گاؤں میں پھیری لگایا کرتا تھا۔ دن بھر چیزیں فروخت کر کے جو پیسے لاتا، شام کو سب اپنی بہن کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ وہ نہ تو یہ بات سمجھ ہی سکتا تھا اور نہ سمجھنے کی کوشش ہی کرتا تھا کہ کُسم کس طرح اصل پونجی محفوظ رکھ کر روزمرہ کا خرچ مزے سے پُورا کر لیتی ہے ؞

ایک دن صبح ہی وہ گھومتا پھرتا باڈل گاؤں جا پہنچا۔ راستے میں برندابن مل گئے۔ وہ کسی کام سے کہیں باہر جا رہے تھے، لیکن کُنج کو دیکھ کر لوٹ پڑے۔ وہ اپنے رشتہ دار کو بڑی عزت سے گھر لائے۔ ہاتھ پاؤں دھونے کے لئے پانی لا کر دیا اور چلم میں تمباکو بھر کر اُس کی خاطر تواضع کی۔ دوپہر کے وقت اُن کی ماں نے طرح طرح کے کھانے بنا کر کُنج کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اور دھوپ میں اُسے کسی طرح بھی روانہ ہونے نہ دیا ؞

شام کے بعد کُنج لوٹ کر گھر آیا اور ہاتھ پیر دھو کر کچھ چنا چبینا کھانے لگا۔

کھاتے کھلاتے اُس نے بہن کو دن بھر کی سب باتیں کہہ سُنائیں اور آخر میں یہ بھی کہا کہ وہ ایک اچھا گھرانہ ہے۔ باغ باغیچہ، کھیتی باڑی، کسی چیز کی کمی نہیں۔ لکشمی تو اُن کے گھر کی گویا ایک باندی ہے ؎

کُسم سب باتیں چُپ چاپ سُنتی رہی، اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

گُنج نے اِسے ایک اچھا موقعہ تصوّر کیا اور نہایت تفصیل سے بتایا کہ برہما بن کی ماں نے کیسی اچھّی اچھّی چیزیں بنائیں اور کیسی عزّت، پیار اور شفقت سے اسے کھلائیں۔ کھلانے پلانے کے بعد بھی کیا وہ کہیں مجھے چھوڑتی تھیں! کہنے لگیں "اتنی دھوپ میں جاؤ گے تو سر درد کرنے لگے گا اور بیمار ہو جاؤ گے"۔

کُسم نے اپنے بھائی کے مُنہ کی طرف دیکھ کر کچھ مُسکراتے ہوئے کہا: "تو آج دن بھر تم اِنھی کاموں میں لگے رہے! بس خُوب شکم سیر ہو کر کھایا اور پاؤں پسار کر سوئے"۔

گُنج نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا: "تو پھر تم ہی بتاؤ بہن! میں اور کیا کرتا؟ جب وہ کسی طرح چھوڑتی ہی نہ تھیں، تو زبردستی کیونکر چلا آتا؟"

کُسم نے کہا:- "اچھا، لیکن اب تم اُس گاؤں میں نہ جایا کرو"۔

گُنج کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح نہ آئی۔ اُس نے پُوچھا: "کیوں نہ جایا کروں؟"

کُسم نے کہا: "وہ تو جب بھی تمھیں راستے میں مِلیں گے، پکڑ

لے جائیں گے۔ وہ بڑے آدمی ٹھہرے۔ اُن کا تو کوئی ہرج نہ ہوگا لیکن اِس طرح ہمارا کام کیونکر چلے گا؟"

کُنج بہن کی اس بات سے بہت رنجیدہ ہُوا۔ کُسم نے اُس کے دل کی بات سمجھ کر ہنستے ہوئے کہا: "نہیں بھیّا! مَیں یہ بات نہیں کہتی۔ بھلا دو ایک دن جانے میں کون سا بڑا نقصان ہُوا جاتا ہے! لیکن، وہ لوگ ٹھہرے بڑے آدمی اور ہم ہیں غریب۔ ہمیں اُن سے زیادہ میل جول بڑھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"لیکن بہن!" کُنج نے کہا: "مَیں خود تو اُن کے گھر نہیں جاتا ——"

"ہاں ہاں، یہ تو ٹھیک ہے —— تم خود نہیں جاتے ہیں لیکن اگر وہ آپ بُلا کر بھی لے جائیں تو بھی ہمیں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"ہُوں! اگر یہی بات ہے تو پھر تم ان براہمنوں کی لڑکیوں سے کیوں اتنا میل جول رکھتی ہو؟ یہ سب بھی تو بڑے آدمیوں ہی کی لڑکیاں ہیں پھر کیوں جاتی ہو ان کے پاس؟"

اپنے بھائی کے دلی جذبات کو سمجھ کر کُسم نے ہنستے ہوئے کہا:۔

"اُن کے ساتھ تو مَیں بچپن سے کھیلتی آ رہی ہوں۔ اور پھر نہ تو وہ ہماری ذات کی ہیں اور نہ ہمارے سماج کی۔ اُن کے یہاں جانے میں ہمارے لئے کوئی شرم کی بات نہیں لیکن اُن کی بات دوسری ہے"۔

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کُنج نے کہا: "نہیں، اُن کے یہاں جانے میں بھی کوئی شرم کی بات نہیں۔ اُن پر لکشمی کی عنایت ضرور

ہے، اُن کے پاس چار پیسے بھی ہیں، لیکن غرور و تکبّر اُن میں نام کو بھی نہیں۔ سب گویا مٹّی کے پُتلے ہیں ——— بے خبر نہ۔ برندابن کی ماں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر جس طرح . . . . . "

بات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ کُسم بے چین ہو کر بول اُٹھی: "پھر وہی پرانی باتیں نکلیں! ہماری ماں پر انہوں نے اتنا بڑا کلنک لگایا تھا، معلوم ہوتا ہے، بھیّا تم سب بھول گئے؟"

کُنج نے مخالفت کرتے ہوئے کہا: "انہوں نے کسی سے ایک بات بھی نہیں کہی۔ بعض بدمعاشوں نے حسد کے باعث جھوٹ موٹ بدنام کیا تھا۔"

"اِسی لئے اُن لوگوں نے ہمیں گھر سے نکال کر دُوسرا بیاہ کر لیا تھا! کیوں؟"

کُنج نے کچھ لاجواب سا ہو کر کہا: "ٹھیک ہے، لیکن اس میں بیچارے برندابن کا ذرا بھی قصور نہ تھا۔ اگر تھا تو اُن کے باپ کا۔"

قدرے خاموشی کے بعد کُسم نے پُرسکون لہجے میں کہا: "اچھا بھیّا، خواہ کسی کا قصور ہو، لیکن جو بات ہو گی نہیں، ہونے والی ہی نہیں، اُس ایک ہی بات کو بیس دفعہ دہرانے سے فائدہ؟ میں تم سے بحث نہیں کر سکتی۔ جانے دو۔"

کُنج پہلے تو بہن کی چوٹ کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ پھر رنجیدہ سا ہو کر بولا: "تم تو بحث نہیں کر سکتیں، لیکن مجھے تو سب طرف دیکھنا

پڑتا ہے۔ ذرا سوچو تو ــــــــ اگر آج میں مر جاؤں تو کل تمہاری کیا حالت ہوگی؟"

کسم کا دل بیچین ہو اُٹھا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔

کنج پھر کہنے لگا: "اپنے جتنے واقف آشنا اور بڑے بوڑھے ہیں، اُن سب سے دریافت کر چکا ہوں۔ تمہاری ساس نل ڈانگے کے بوڑھے باباجی تک سے رائے لے آئی ہیں۔ تم جانتی ہو، اُن سب لوگوں نے بڑی خوشی سے اجازت دے دی ہے؟"

کسم کا چہرہ ایک دم تمتما اُٹھا، درشتی کے آثار پیدا ہو گئے۔ لیکن وہ اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی: "ہاں، جانتی کیوں نہیں؟"

اس کے بارے میں، اس کی ماں کے بارے میں، اور اس کی کنٹھی بدلنے کے بارے میں، سماج میں تنقید ہو رہی تھی، اور اچھے اچھے لوگوں کی منظوری لی جا رہی تھی، اس تذکرے سے کسم کو بیحد غصہ آیا۔ مگر اُس نے اپنے تاثرات کو دبا کر پوچھا: "کیوں بھیّا! اس وقت تم کیا کھاؤ گے؟"

کنج نے بہن کا مطلب سمجھ لیا، اور مُنہ بھاری کر کے کہا: "کچھ نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے"

کسم کو اور بھی زیادہ غصّہ آ گیا ــــــــ مگر وہ غصّہ روک کر چُپ چاپ اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔

کنج نے وہیں بیٹھے بیٹھے چلم میں تمباکو بھر کر پیا۔ پھر حقّہ دیوار سے

سہارے کھڑا کر کے پکارا: "گستم!"

گستم اپنی کوٹھری میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی۔ اُس نے وہیں سے پوچھا: "کیا ہے؟"

"میں کہتا ہوں، اتنی رات ہو گئی، کچھ کھانے کو نہیں بناؤ گی؟"

گستم نے وہیں سے جواب دیا: "نہیں، آج کچھ نہیں بنے گا"۔

"یہی تو پوچھتا ہوں کہ کیوں نہیں بنے گا؟"

گستم نے بگڑ کر کہا: "مجھ سے سَو دفعہ نہیں کہا جاتا"۔

بہن کی یہ بات سُن کر گنج دھم دھم کرتا ہُوا اُس کی کوٹھری میں جا پہنچا اور چلّا کر بولا: "دیکھو گستم! مجھے دِیا دہ نہ جلاؤ۔ اگر اسی طرح دِق کیا کرو گی، تو جدھر میرا مُنہ اُٹھے گا چلا جاؤں گا —— یہ کہے دیتا ہوں"۔

"جاؤ ابھی چلے جاؤ" گستم نے تُند لہجے میں کہا: "میں گھر میں اِس طرح ڈوم چماروں کی طرح چیخنے چلّانے نہ دُوں گی۔ تمہارے جی میں آئے تو باہر گلی میں جا کر جتنا ہو سکے پُورے زور سے چیخو چلّاؤ"۔

گنج نے انتہائی غُصّے میں کہا: "کمبخت! تو چھوٹی بہن ہو کر بڑے بھائی کو گھر سے نکال رہی ہے؟"

"ہاں نکال رہی ہوں۔ تم بڑے ہو —— اِس لئے کیا تم ہر معاملے میں من مانی کرو گے؟"

بہن کے مُنہ کی طرف دیکھ کر گنج دل ہی دل میں ڈر گیا، کچھ نرم ہو کر بولا: "بھلا بتا تو دو، میں نے ایسا کون سا کام کیا ہے؟"

"تو مجھ سے پوچھے بغیر کیوں وہاں گئے اور کیوں اُن کے گھر سے کھانا کھایا؟"

"لیکن اس میں ہرج کیا ہو گیا؟"

"اس میں ہرج کیا ہو گیا؟ بہت بڑا ہرج ہو گیا۔ میں آج منع کئے دیتی ہوں، اب وہاں کبھی نہ جانا۔"

کُنج بڑا بھائی تھا۔ لڑائی جھگڑے میں چھوٹی بہن سے ہار ماننے میں اُسے ندامت سی محسوس ہوئی۔ اُس نے کہا: "کیا تُو مجھ سے بڑی ہے جو مجھ پر حکم چلاتی ہے؟ میرا جہاں جی چاہے گا جاؤں گا۔"

کسُم نے بھی اُسی طرح زور سے کہا: "نہیں، کبھی نہیں جانے دونگی اگر میں نے سُن لیا تو اچھا نہ ہوگا بھیّا، میں صاف کہے دیتی ہوں۔"

اب کُنج سچ مچ ڈر گیا۔ پھر بھی اُس نے ظاہرا رُعب قائم رکھنے کے لئے کہا: "جاؤں گا تو کیا کرو گی؟"

کسُم سلائی کا سامان پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور چلّا کر بولی:۔ "دیکھو، میں کہے دیتی ہوں بھیّا! مجھے غصّہ نہ دلاؤ۔ میرے سامنے سے چلے جاؤ کہہ رہی ہوں ہٹ جاؤ۔"

کُنج کچھ سٹپٹا کر کوٹھری سے نکل آیا، اور دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو کر بولا: "تیرے ڈر کے مارے ہٹ جاؤں گا!! اگر وہاں جاؤں گا تو کیا کر لے گی تو؟"

کسُم نے کچھ جواب نہ دیا۔ چراغ کی بتّی کچھ اور بڑھا کر اُس کی

روشنی تیز کر کے پھر سینے لگی۔ آڑ میں کھڑے ہوئے گنج کی ہمت پھر بڑھ گئی، اور اُس نے اپنا لہجہ کچھ اور تیز کر کے کہا: "مثل مشہور ہے —
آپ ڈائن کی طرح چلائیے گی تو کچھ نہیں، میں ذرا زور سے بولوں تو...."
یہ کہہ کر گنج رُک گیا، لیکن جب اندر سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ دل ہی دل میں بڑا خوش ہوا۔ باہر جا کر اپنا حُقّہ اُٹھا لایا اور یونہی وہ کش لگا کر گلے کی آواز اور بلند کر کے بولا: "جب میں بڑا ہوں، جب میں گھر کا مالک ہوں، تو سب کام میرے ہی حکم سے ہو گا"۔
یہ کہہ کر اُس نے جلی ہوئی چلم اُلٹ دی، اور پھر تمباکو بھرتے ہوئے زور سے کہا: "مجھے کسی کی بات سُننے کی ضرورت نہیں۔ میں ہر مرتبہ نہیں، نہیں، سُننا نہیں چاہتا۔ جب میں گھر کا مالک ہوں، جب گھر بار سب میرا ہے، تو میں جو کچھ کہوں گا، وُہی......"
اچانک اُس نے پیچھے پاؤں کی چاپ سُنی اور جب مُنہ پھیر کر دیکھا تو وہیں بات کو ناتمام چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔
کُسم چُپ چاپ آ کر تیز نگاہ سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُسے متوجہ دیکھ کر بولی: "یہاں بیٹھے بیٹھے لڑائی کرو گے یا جاؤ گے یہاں سے؟"
چھوٹی بہن کی اس تیز نگاہ کے سامنے بڑے بھائی کا مالک بننے کا تمام حوصلہ کافور ہو گیا۔ اُس کے مُنہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ کُسم نے پھر اُسی طرح کہا: "بھیّا! بتاؤ، یہاں سے جاؤ گے یا نہیں؟"

اب نہ تو وہ کنج ناتھ رہ گیا تھا اور نہ اُس کا وہ گلا۔ اُس نے بھرّائی ہوئی آواز سے کہا: "کہا تو ہے کہ تمبا کو بھر لوں، پھر جاتا ہوں"۔

کسُم نے ہاتھ بڑھا کر کہا: "لاؤ، مجھے دو" یہ کہہ کر وہ اُس کے ہاتھ سے چلم لے کر چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر بعد واپس آ کر چلم حُقّے پر رکھتے ہوئے بولی: "سُناروں کی دُکان پر جاؤ گے نا؟"

کنج نے سر ہلا کر کہا: "ہاں"۔

کسُم نے نرمی سے کہا: "اچھا جاؤ۔ مگر دیکھو، بہت رات نہ کر دینا۔ مجھے رسوئی بنانے میں دیر نہیں لگے گی"۔

کنج ناتھ ہاتھ میں حُقّہ لئے ہوئے آہستہ آہستہ باہر چلا گیا۔

دُوسرا باب

اُس دن کُنج نے اپنی بہن کو بندرابن کے گھر بار کے متعلق جو کچھ بتایا تھا۔ اُس میں کسی قسم کا جھوٹ یا مبالغہ نہ تھا۔ سچ مُچ اُن کے گھر میں لکشمی کا باس تھا۔ اور یہ بھی سچ تھا کہ اُس کے لئے اُن کے گھر میں کسی کو بھی کسی طرح کا تکبّر، غُرور یا فخر نہیں تھا ؛

اُس گاؤں میں کوئی پاٹھشالہ نہیں تھی۔ بندرابن نے بچپن میں اپنی ہی کوشش سے تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا اور اُسی وقت سے اپنے گاؤں میں پاٹھ شالہ کھولنے کا عہد کر لیا تھا۔ لیکن اُن کے پتا گور داس بڑے ہُشیار آدمی تھے۔ اگرچہ برندابن اُن کا اکلوتا لڑکا تھا پھر بھی انہوں نے ایسے واہیات کام میں اپنے بیٹے کو امداد نہ دی۔ لیکن اُن کی وفات کے بعد بندرابن نے اپنے چنڈی منڈپ میں ایک ایسی پاٹھشالہ کھول دی جس میں بچّوں سے کوئی فیس نہیں لی جاتی اور اس طرح اُس نے اپنا وہ دیرینہ عہد عملی صورت میں پُورا کر دیا۔ اُن کے محلّے میں ایک پُرانے تعلیم یافتہ پنشنر تھے۔ اُن کو بندرابن نے

انگریزی پڑھانے کے لئے رکھ لیا۔ وہ رات کے وقت آکر پڑھا جایا کرتے تھے۔ اِس لئے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں ہوئی۔ گاؤں بھر میں کسی کو بھی معلوم نہیں کہ وشنو بندرابن انگریزی پڑھے ہوئے ہیں۔ آج سے پانچ برس پہلے، بیوی کی وفات کے بعد وہ لکھنے پڑھنے ہی میں لگے رہتے تھے، عموماً رات بھر پڑھا کرتے، صبح گھر کے کام کاج اور زمینداری وغیرہ دیکھتے اور دوپہر کو اپنی قائم کی ہوئی پاٹھشالہ میں کسان بچّوں کو پڑھایا کرتے۔ جب بیوہ ماں دوبارہ شادی کرنے کا تقاضا کرتی تو وہ اپنے چھوٹے سے بیٹے کو دکھا کر کہہ دیا کرتے کہ جس کے لئے شادی کی جاتی ہے، وہ ہمارے پاس ہے۔ پھر دُوسری شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ماں بہت کچھ رو تی پیٹتی، لیکن وہ کچھ بھی نہ سُنتے، اِسی طرح دو برس گزر گئے۔

اِس کے بعد ایک دن بندرابن نے اچانک کُنج وشنو کے مکان کے سامنے کُسُم کو دیکھا۔ کُسُم ندی سے اشنان کر کے کمر پر پانی کی کلسی رکھے گھر آ رہی تھی۔ اُس وقت اُس نے شباب میں پاؤں رکھا ہی تھا، بندرابن محبّت بھری نگاہوں سے اُسے دیکھتے رہ گئے۔ اور جب کُسُم اپنے گھر میں چلی گئی، تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔ اِس گاؤں کے سب گھروں کو وہ اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اِس لئے وہ جان گئے کہ وہ لڑکی کون ہے۔

ایک اولاد ہونے پر ماں بیٹے میں جو تعلّق ہوتا ہے، بندرابن اور

اُن کی ماتا میں بھی یہی تعلق تھا۔ انہوں نے گھر آکر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنی ماں سے کُسُم کی بات کہہ دی۔ ماں نے کہا ــــــ "ارے بیٹا، بھلا ایسا کہیں ہوسکتا ہے؟ اِن لوگوں میں تو دوش ہے!" بندرابن نے جواب دیا ــــــ "وہ ہوا کرے ماں، پھر بھی وہ تمہاری بہو ہے۔ جب میری ماں شادی کی تھی، تو اُس وقت یہ بات کیوں نہ سوچی؟"

ماں نے کہا ــــــ "وہ سب تمہارے بابو جی جانتے تھے ــــ اُنہوں نے جو کچھ اچھا سمجھا کر گئے"۔

بندرابن نے فخریہ لہجہ میں کہا ــــــ "اچھا، تو پھر ایسا ہی سہی ماں، مَیں جیسا ہوں، وَیسا ہی رہوں گا۔ اب تم مجھے شادی کے لئے تنگ نہ کرنا"۔

اتنا کہہ کر وہ باہر چلے گئے۔

اِس بات کو بھی تین سال گزر گئے۔ اِس درمیان میں بندرابن کی ماں نے کُسُم کو اپنے گھر لانے کی بہت کوشش کی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ کُسُم کسی طرح رضامند ہی نہ کی جاسکی۔ کُسُم کی اِس مستقل اور سخت مخالفت کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے عاجز اور کم عقل بھائی کو اکیلے چھوڑ کر وہ کہیں بھی جاکر سُکھی نہیں رہ سکتی اور دوسری وجہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔

اگر وہ کسی طرح سماج کے رسم و رواج کی پابندی کئے بغیر آسانی سے

اپنے پتی کے گھر جاکر آباد ہو سکتی، تو شائد وہ اپنے بھائی کے اصرار کا اس استقلال کے ساتھ مقابلہ نہ کرتی لیکن وہ سوچتی کہ اب پھر سب کام نو بارہ کرنے ہونگے، طرح طرح کے ویشنوؤں کے گروہ آکر کھڑے ہونگے۔ میری ماں کی جھوٹی بدنامی کی چرچا چھڑے گی، میرے اپنے بچپن کے گزرے ہوئے واقعات دُہرائے جائیں گے۔ اور بھی نہ جانے کن کن باتوں کا ذکر ہوگا۔ ہر طرف شور وغوغا ہوگا۔ پاس پڑوس کے لوگ تماشا دیکھنے آئینگے۔ میری سکھی سہیلیاں آآکر حیرت آمیز نگاہوں سے تاک جھاک کرینگی اور پھر اپنے اپنے گھروں میں جاکر ہنستی ہوئی سیدھی سادی زبان میں کہیں گی کہ "ڈوم چماروں کی طرح کُسم کا نکاح ہوگیا"۔ چھی! چھی!! ان سب باتوں کا خیال کرکے ہی وہ شرم کے مارے زمین میں گڑ جاتی ہے۔ نیک گھروں کی جن لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر اُس نے لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، اور جن کے ساتھ ساتھ وہ اتنی بڑی ہوئی ہے، غریب ہونے پر بھی وہ اپنے دل میں اس بات کو جگہ نہیں دے سکی کہ عادات و کردار وغیرہ میں وہ اُن لوگوں سے کسی طرح پیچھے رہ جائے +

کل شام کو اپنے بھائی کے ساتھ کُسم کی کہا سُنی ہوئی تھی۔ اُس نے ناراض ہوکر لکڑی کے صندوق کی چابی اپنے بھائی کے پاؤں میں پھینک دی تھی، اور غصّہ میں بھر کر کہا تھا کہ اب چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں اس دُنیا میں نہ رہوں گی۔ آج صبح کے وقت جب وہ ندی سے نہا کر واپس آئی، تو اُس نے دیکھا کہ بھائی گھر میں نہیں ہے، کہیں چلا گیا ہے۔ اُسکا

پھیری والا ٹھیلا بھی گھر میں نہیں ہے۔ کُسم نے دِل ہی دِل میں کچھ ہنستے ہوئے کہا: "بھیا کل رات کو کچھ جھڑکیاں کھا کر آج صبح ہی بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔" اِس میں شک نہیں کہ اپنی کل والی غلطی کی تلافی کرنے کے لئے ہی وہ آج چلا گیا ہے، لیکن کُسم نے جو اندازہ لگایا وہ درست نہیں۔ وہ غلطی اَور ہی تھی اَور تھوڑی دیر بعد ہی وہ ظاہر ہو گئی۔

کُسم کو ہر روز صبح سویرے اُٹھ کر گھر کے سب کام کرنے پڑتے۔ سارا گھر اور آنگن گوبر سے پوتنا پڑتا، آنگن خُوب جھاڑ کر صاف کرنا پڑتا، ندی سے نہا کر پانی لانا پڑتا۔ اور پھر اپنے بھائی کے لئے کھانا بنانا پڑتا۔ جب کُنج پھیری کے لئے باہر چلا جاتا، تو وہ پُوجا پاٹھ کرنے بیٹھتی۔ جس دن کُنج صبح ہی بغیر کھانا کھائے چلا جاتا اُس دِن وہ دوپہر ہی کو واپس لَوٹ آیا کرتا۔ کُسم نے سوچا کہ ابھی بھائی کے آنے میں بہت دیر ہے! اِس لئے وہ پھُول چُننے آ گئی۔ آنگن میں ایک طرف پھُولوں کے کچھ پَودے تھے۔ چمیلی اَور جُوہی کے بھی کچھ پیڑ تھے۔ اُنہی سے وہ اپنی روز کی پُوجا کے لئے پھُول چُن لیا کرتی۔ پھُول چُن کر اَور سب دھندوں سے فارغ ہو کر جیسے ہی وُہ پُوجا پر بیٹھی، اُس کے دروازے پر کئی بیل گاڑیاں آ کھڑی ہوئیں اور اُس کے بعد ہی ایک بُوڑھی عورت دھکّے سے دروازہ کھولتی ہوئی اندر آ گئی۔ تھوڑی دیر تک دونوں ایک دُوسری کو دیکھتی رہیں۔ کُسم نے اُسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن ناک پر تلک اَور گلے میں مالا دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ ہو چاہے کوئی، لیکن ہے میری جاتی کی ہی،

بُوڑھی نے کسُم کے پاس پہنچ کر ہنستے ہوئے کہا ——— "بیٹی تُم تو مجھے نہ پہچانتی ہوگی۔ لیکن تمہارے بھائی پہچانتے ہیں کُنج ناتھ کہاں ہیں؟"

کسُم نے جواب دیا "وہ تو آج صُبح ہی سے کہیں باہر چلے گئے ہیں۔ غالباً دیر سے آئینگے"۔

اجنبی عورت نے حیرت سے کہا ——— "ہیں! دیر سے آئینگے! ابھی کل ہی تو وہ اپنے بہنوئی اور دوسرے بھی چار پانچ لڑکوں کو ——— وہ بھی ہمارے اپنے ہی ہیں، رشتے میں بھانجے ہوتے ہیں ——— کھانے کی دعوت دے آئے ہیں۔ اِس لئے میں نے بھی آج سویرے ہی بندرابن سے کہہ دیا کہ بیٹا، گاڑی بان سے کہدو کہ گاڑی جوت کر لے آئے، میں بھی چل کر ذرا بہو کو دیکھ آؤں اور آشیرواد دے آؤں"۔

یہ سُن کر کسُم حیران رہ گئی۔ لیکن فوراً اپنے آپ کو سمبھال کر پیشانی کا آنچل کھینچ کر اور زیادہ گھونگھٹ نکال لیا۔ اس کے بعد وہ پرنام کر کے جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی، کوٹھڑی میں سے آسن لا کر بچھا دیا اور خود خاموش کھڑی ہوگئی۔ کسُم نے سمجھ لیا کہ یہ ساس ہیں۔ وہ آسن پر بیٹھ کر ہنستی ہوئی بولیں:-

"کل کھانا چُکنے کے بعد بندرابن نے ہنستے ہوئے کہا کہ میں ایسا بدقسمت ہوں کہ کُنج بھیّا ہیں تو میرے بڑے بھائی کی جگہ، لیکن انہوں نے آج تک کبھی مجھ سے یہ بھی نہیں کہا کہ کل تم آکر ہمارے ہاں ایک لوٹا پانی پی آنا۔ اِدھر کئی دنوں سے میری نند کے لڑکے بھی میرے ہی

یہاں ہیں۔ اِس پر کُنج نے ہنستے ہوئے اُن سب کو بھی دعوت دے دی۔ اِس لئے وہ سب آگئے ہیں"

کُسّم سر جُھکائے خاموش کھڑی رہی۔

بِندرابن کی ماں نچلے درجہ کی عام عورتوں کی مانند نہ تھی۔ وہ بہت سمجھدار تھی۔ کُسّم کے چہرے کے جذبات دیکھ کر اچانک اُسے شک ہُوا کہ ضرور کوئی نہ کوئی گول مال ہُوا ہے۔ اُس نے محبت سے پُوچھا: "کیوں بہو! کُنج ناتھ کیا تم سے کچھ بھی نہیں کہہ گئے؟"

کُسّم نے گھونگھٹ کے اندر سے ہی سر ہلا کر جواب دیا ——

"نہیں!"

لیکن بِندرابن کی ماں یہ نہیں سمجھ سکیں، بلکہ انہوں نے سوچا کہ وہ کہہ کر ہی گیا ہے۔ اِس لئے مطمئن ہو کر کہا ——

"جب تو ٹھیک ہے۔" اِس کے بعد کُنج ناتھ کے متعلق محبت بھرے جذبات سے کہا —— "ڈر تھا کہ کہیں میرا پاگل بیٹا سب باتیں بھول نہ گیا ہو۔ اب تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ کچھ سودا سلف خریدنے گیا ہے، تھوڑی ہی دیر میں آجائیگا، تو یہ سب بھی آگئے"

بِندرابن نے ایک دفعہ باہر ہی سے پُکارا "کُنج بھیّا!" اور اُس کے بعد وہ جھٹ آنگن میں آکھڑے ہوئے۔ اُن کے ساتھ اور بھی تین لڑکے تھے۔ یہی اُن کے پھوپھیرے بھائی تھے۔ اُن کی ماں نے کہا "کُنج ناتھ ابھی کہیں باہر گیا ہے —— اور بہو! اندر ذرا شطرنجی بچھا دو،

یہ لوگ بیٹھ جائیں "۔
کُسُم نے کچھ بیچین سی ہو کر اپنے بھائی کی کوٹھڑی میں ایک کمبل بچھا دیا اور ہاتھ میں چلم لے کر تمباکو بھرنے رسوئی گھر میں چلی گئی ۔
یہ دیکھ کر بندرابن نے ہنستے ہوئے کہا "رہنے دو، ہم لوگ تمباکو نہیں پیتے "۔
کُسُم ہاتھ سے چلم رکھ کر رسوئی گھر میں ایک کھمبے کے ساتھ چُپ چاپ کھڑی ہو گئی ۔ اِس کا ناسمجھ بھائی اسے کیسی مصیبت میں ڈال کر کھسک گیا ۔ غصّہ، خودداری، شرم اور ہونے والی بے عزتی کو سوچ کر اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا ۔ کل ہی اُس کے گھر کی سب چیزیں ختم ہوئی ہیں ۔ آج صبح نہانے کے لئے جانے سے پہلے اُس نے سوچا تھا کہ لوٹ کر آؤنگی تو بھیّا کو بازار بھیجوں گی ۔ لیکن واپس آ کر دیکھا تو بھائی کا کہیں پتہ نہ تھا ۔ جب کُنج کوئی قصور یا غلطی کر بیٹھتا ہے ۔ تو اپنی چھوٹی بہن سے اتنا ڈرتا ہے، کہ کوئی نوکر اپنے ظالم مالک سے بھی نہ ڈرتا ہو گا ۔ جن بڑے آدمیوں کے گھر صرف کھانا کھا آنے کے قصور ہی میں کُسُم نے اتنی زیادہ ناراضگی کا اظہار کیا تھا ۔ گرمی میں آ کر کُنج انہی بڑے آدمیوں کو خاندان سمیت دعوت دے آیا ہے! یہ قصور اُس پہلے قصور سے بھی زیادہ بھاری تھا ۔ اِس لئے اپنی بہن سے کچھ کہنے کا اُسے حوصلہ نہ پڑا اور وہ صبح اُٹھ کر بھاگ گیا ۔ اب جو چاہے وہ ہو رات سے پہلے وہ گھر نہیں آئیگا ۔ یہ بات یقینی طور پر سمجھ لینے کی

وجہ سے کُسّم آنے والی مصیبت کا خیال کر کے بیچین ہو اُٹھی۔ اور سب سے بڑھ کر مصیبت یہ ہوئی کہ جس صندوق میں اُس کے اکٹھے کئے ہوئے تھوڑے سے روپیے تھے اُس کی چابی بھی اُس کے پاس نہیں تھی۔ اور نہ اِسوقت اُس کے ہاتھ میں ایک پیسہ ہی تھا۔

کُسّم مایوس ہو کر قریباً پانچ منٹ تک کھڑی رہی۔ اِس کے بعد اچانک اُس کا سارا غُصّہ بندرابن پر برس پڑا۔

درا صل سارا قصور اِنہی کا ہے۔ کیوں یہ میرے ناسمجھ بھائی کو راستے میں سے پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور کیوں انہوں نے یہ سب مذاق کیا؟ اور یہ ہوتے کون ہیں، جو بھیّا انہیں اپنے گھر بُلا کر کھانا کھلائیں گے؟

گذشتہ تین برس سے کتنے ہی بہانوں، کتنی ہی ترکیبوں سے، بندرابن اِدھر آتے جاتے رہے ہیں، اور کئی دفعہ صُبح شام بِلا مقصد بھی مکان کے سامنے سے نکل گئے ہیں۔ ہم لوگوں کی حالت کتنی خراب ہے یہ وُہ اچھی طرح جانتے ہیں اور شائد اِسی لئے انہوں نے جان بوجھ کر ہمیں نیچا دکھلانے کے لئے یہ جھگڑا کھڑا کیا ہے"۔

لکڑی کی مُورتی کی مانند کھڑی ہوئی کُسّم اپنی آنکھوں سے آنسو پُونچھنے لگی۔ وہ بڑی خودّدار لڑکی ہے۔ لیکن اِس وقت وہ اکیلی ہے۔ کیا کرے؟

بندرابن کی ماں تو اُٹھ کر اندر کوٹھڑی میں جا کر لڑکوں سے بات چیت کرنے لگی۔ لیکن اُس کے لڑکے کی نگاہیں کوٹھڑی کے باہر اِدھر اُدھر

بھٹک رہی تھیں۔ اچانک وہ رسوئی گھر میں کھڑی ہوئی کُسُم پھر ٹھیر گئیں۔ جب آنکھیں چار ہوئیں تو بندرابن نے سمجھا کہ شاید وہ اشارے سے اپنے پاس بُلا رہی ہے۔ پل بھر کے لئے اس کے جسم میں جیسے بجلی کی رَو دَوڑ گئی ہو اس کا دل پاگلوں کی طرح اُچھل کر پھر پُر سکون ہو گیا۔ انہوں نے سوچا یہ ناممکن ہے۔ یہ میری آنکھوں کی بھول ہے +

بندرابن سوچنے لگا کہ اچانک کبھی سامنا ہو جانے پر جو گھونگھٹ نکال کر جلدی سے سامنے سے چلی جاتی ہے۔ میرے متعلق جس کی بے توجہی کی بات کئی بار کنج ناتھ سُنا چکا ہے، وہ کیا مجھے کبھی اپنی مرضی سے اپنے پاس بلائیگی؟ یہ کبھی ممکن ہو ہی نہیں سکتا۔ بندرابن نے اپنی نگاہ دُوسری جانب پھیر لی۔ لیکن وہ وہاں بھی نہ ٹھیر سکی۔ جس جگہ آنکھیں چار ہوئیں تھیں پھر اُسی طرف چلی گئی، کُسُم اُسی کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اُس نے اسے ہاتھ کے اشارے سے بُلایا +

برندابن نے لڑکھڑاتے ہوئے پاؤں سے رسوئی گھر کے دروازے کے پاس آکر میٹھی آواز میں پُوچھا: "مجھے بُلایا ہے؟"

کُسُم نے بھی اُس طرح میٹھی آواز میں کہا —— "ہاں"

بندرابن نے ذرا آگے بڑھ کر پُوچھا —— "کیوں؟"

کُسُم نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر بھاری گلے سے کہا: "میں تُم سے یہ پوچھتی ہوں۔ کہ ہمارے جیسے غریب دُکھیوں کو اس طرح ستانے میں تمہارے جیسے بڑے آدمیوں کی کونسی بہادری ہے؟"

ہیں! اچانک یہ کیسا الزام! بندرابن چُپ چاپ کھڑے رہے۔
کسُم نے اَور زیادہ سخت آواز میں کہا: "کیا تم جانتے نہیں ہو
کہ ہم لوگ کس طرح دن کاٹتے ہیں؟ پھر کیوں بھیا سے ایسی ہنسی کی؟
کیوں اتنے آدمیوں کو لے کر کھانے کے لئے آ گئے؟"
پہلے تو بندرابن کی سمجھ میں نہ آیا کہ اِس شکائیت کا کیا جواب دے،
لیکن وہ متین و حلیم آدمی ہیں، کسی بات سے بھی زیادہ نہیں گھبراتے۔
تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سمبھال کر
بڑی سنجیدگی اور ملائمت سے پُوچھا ——— "کُنج بھیا کہاں ہیں؟"
کُسم نے کہا "معلوم نہیں، مجھ سے کچھ کہے سُنے بغیر ہی صُبح اُٹھ کر
کہیں چلے گئے ہیں"۔
بندرابن نے تھوڑی دیر تک چُپ رہنے کے بعد کہا "اچھا،
وُہ گئے تو جانے دو۔ مَیں تو ہوں۔ کیا گھر میں کھانے پینے کو کچھ بھی
نہیں ہے؟"
"نہیں، کچھ بھی نہیں۔ سب چیزیں ختم ہو گئی ہیں۔ اور ایک پیسہ
بھی اس وقت میرے پاس نہیں"۔
بندرابن نے کہا "اِس گاؤں میں تمہاری طرح مجھے بھی سب لوگ
جانتے ہیں۔ مَیں سب چیزیں خرید کر نوکر کے ہاتھ بھجوا دیتا ہوں۔
مجھے ایک انگوچھا دیدو۔ مَیں ابھی نہا کر آتا ہوں۔ اگر ماں دریافت
کریں، تو کہدینا نہانے گئے ہیں۔ اب تم یہاں کھڑی نہ رہو۔ جاؤ"۔

کُسم نے کوٹھڑی سے انگوچھا لاکر دے دیا۔

انگوچھا سر پر لپیٹتے ہوئے بندرابن نے ہنس کر کہا "تم کُنج بھیا کی بہن ہو، اسی لئے وہ تمہیں اس طرح چھوڑ کر بھاگ سکے ہیں۔ اگر اور کوئی ہوتیں، تو شاید، اِس طرح نہ چھوڑ سکتے"۔

کُسم نے بہت آہستہ سے جواب دیا ــــــ "سب لوگ تو اِس طرح نہیں چھوڑ سکتے، لیکن بعض نہایت آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں"۔

یہ کہہ کر کُسم نے آڑ میں سے بندرابن کی جانب دیکھا کہ اِس بات نے اُس کے دِل پر کتنی چوٹ پہنچائی ہے۔

بندرابن نے وہاں سے چلنے کے لئے پاؤں اُٹھایا ہی تھا کہ پھر رُک کر آہستہ سے کہا ــــــ "تمہارا یہ وہم شاید کسی دن دُور ہو جائیگا۔ بچپن میں اپنی ماں کے کسی قصور کے لئے جس طرح تم ذمہ وار نہیں ہو، اُسی طرح اپنے پِتا کی بھول کے لئے مَیں بھی ذمہ دار نہیں ہوں۔ خیر جانے دو، اِن سب جھگڑوں کا ابھی وقت نہیں آیا، جاؤ اور کھانیکا انتظام کرو"۔

کُسم نے کہا ــــــ "بھلا بتاؤ، مَیں کھانے کا کیا انتظام کروں؟ اگر اپنا سر کاٹ کر پکاؤں اور اُس سے تمہارا پیٹ بھر سکے، تو کہو مَیں وہ بھی کرنے کے لئے تیار ہوں"۔

برندابن دو چار قدم چل کر پھر لوٹ آیا۔ اِس بات کا کوئی جواب نہ دے کر اپنی آواز اور بھی مدھم کر کے بولا ــــــ "تمہاری جو خواہش ہو

کہہ سکتی ہو۔ مجھے تو برداشت کرنا ہی پڑیگا۔ لیکن غُصّے میں آکر اسی طرح اپنی ساس سے کوئی تلخ بات نہ کہہ دینا۔ انہیں ذراسی بات بھی بہت لگتی ہے"۔

کُسم نے غصّے بھرے گلے سے کہا: "میں کوئی جانور نہیں ہوں۔ مجھ میں بھی تھوڑی بہت عقل ہے"۔

"یہ میں جانتا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہوں کہ عقل کی نسبت تم میں غُصّہ ذرا زیادہ ہے۔ ہاں کُسم ایک بات اَور بھی ہے۔ ماں صرف نہا کر چلی آئی ہیں۔ ابھی تک انہوں نے پُوجا پاٹھ کچھ بھی نہیں کیا۔ اُن سے پُوچھ لو اور سب سے پہلے اُس کا انتظام کردو۔ میں جاتا ہوں"۔

"جاؤ، لیکن دیکھو کہیں گپ شپ اُڑانے نہ بیٹھ جانا"۔

بندرابن نے کچھ ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں۔ لیکن جی تو چاہتا ہے کہ دیر کرکے تم سے کچھ جھڑکیاں سُنوں۔ اگر تم اَور کسی دن کے لئے اُمید دلاؤ تو یہ ہوسکتا ہے کہ آج جلدی لوٹ آؤں"۔

"دیکھا جائیگا" اتنا کہہ کر کُسم رسوئی گھر کے اندر جارہی تھی کہ اچانک بندرابن نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے میٹھی آواز سے کہا:—

"حیرت ہے، کہ مجھے ایک بار بھی یہ نہیں معلوم ہُوا کہ آج تم پہلی دفعہ ہی باتیں کررہی ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تم مدّت سے اسی طرح مجھ پر حکومت کرتی آرہی ہو۔ ایشور کے ہاتھ کا باندھا ہُوا کیسا عجیب بندھن ہے کُسم!"

کُسم گھڑی کی گھڑی سُنتی رہی ——— اُس نے کوئی جواب

نہیں دیا۔

جب بندرابن چلے گئے، تو اُن کی یہ آخری بات یاد کر کے اچانک کُسُم کا سارا جسم کانپ اُٹھا۔ اَور وُہ رسوئی گھر میں جا کر چُپ چاپ بیٹھ گئی۔ اپنی تعلیم کے غُرور میں آج تک جسے وُہ ناتعلیم یافتہ، جاہل دیہاتی سمجھ کر کسی شُمار ہی میں نہ لاتی تھی۔ آج کی بات چیت اور برتاؤ کے بعد اُس کے متعلّق ایک نئی راحت، نئے لُطف اور نئی تمنّا سے وہ بیچین ہو اُٹھی۔

تیسرا باب

اُس دِن گھر لوٹتے وقت بندرابن کی ماں نے کُسم کو اپنے پاس بُلا کر آنکھوں سے محبّت کے آنسو بہاتے ہوئے روندھی ہوئی آواز میں کہا: "بہو! مَیں تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ آج کا دِن کتنی خوشی اور راحت میں گُزرا ہے۔ بیٹی تم ہمیشہ سُکھی رہو" اتنا کہہ کر انہوں نے اپنے آنچل سے ایک جوڑا سونے کے کڑے نکال کر اپنے ہاتھ سے کُسم کے ہاتھ میں پہنا دیئے ٭

بندرابن کی ماں نے جان لیا تھا کہ کُسم نے آج کھلانے وغیرہ کا سب انتظام بندرابن کی خُفیہ امداد ہی سے کیا ہے اور خاص کر اسی وجہ سے اُس کا دِل اُمید اور مسرت سے لبریز ہو گیا تھا۔ کُسم نے گلے میں آنچل ڈال کر پرنام کیا اور اُن کے پاؤں کی خاک اپنی پیشانی پر لگا کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ ساس اور بہو میں اِس بارے میں اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر انہوں نے بہو سے کہا ــــــ "بیٹی! گُنج ناتھ تو

تمام دِن دکھائی ہی نہیں دیا ——— نہ جانے وُہ پاگل کہاں بھاگا رہا۔ کل اُسے ایک بار میرے پاس بھیج دینا"۔

کُسم نے سر ہلا کر کہا "اچھا"۔

بندرابن کے دادا نے گھر میں "گوِند مہاپربھو" کی مورتی رکھی ہوئی تھی جس کمرے میں وہ مورتی تھی اُس کمرے میں بیٹھ کر بندرابن کی ماں روزانہ رات کو بہت دیر تک جپ کیا کرتی تھی۔ آج بھی کر رہی تھی۔ اُس کا پوتا گود میں سر رکھ کر سو گیا تھا۔ یہ لوگ جس جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں چراغ کا سایہ پڑ رہا تھا۔ اِسی لئے بندرابن اُس کمرے میں آیا تو وُہ اِن لوگوں کو نہ دیکھ سکا۔ وہ مورتی کے پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک دل ہی دل میں پرارتھنا کر کے اُس نے زمین پر جھک کر پرنام کیا اور جب وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا تو اُس کی نظر ماں پر پڑی۔ وُہ دل ہی دل میں شرمسار ہو کر ہنس پڑا۔ اور پوچھا ——— "ماں تم اتنی تاریکی میں کیوں بیٹھی ہو؟"

ماں نے محبت سے جواب دیا ——— "یُوں ہی بیٹھی ہوں، بیٹا! ——— تو ذرا میرے پاس بیٹھ جا"۔ بندرابن پاس جا کر بیٹھ گیا۔

بندرابن کے شرمسار ہونے کی ایک وجہ تھی۔ اُس وقت رات ایک پہر سے زیادہ گزر چکی تھی۔ اِس طرح بے وقت وُہ پہلے کبھی مُورتی کے درشن کرنے کے لئے نہیں آتا تھا۔ آج وُہ ٹھاکر جی کے سامنے اِس بے پایاں مُسرت کا اظہار کرنے آیا تھا جو کُسم سے مُلاقات کے بعد اس کے

دل کو گدگدا رہی تھی، لیکن کہیں ماں قیاس سے اس کے دِل کی بات نہ جان لے، اِس شرم سے وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سوئے ہوئے پوتے کی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے برندا بن کی ماں نے محبّت سے لبریز آواز میں کہا ——— "وہ اپنے خاندان کے اِس اکلوتے چشم و چراغ کو چھوڑ کر کہیں جانے کے لئے ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتی۔ لیکن آج مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے بندرابن جیسے میرے سر پر سے کسی نے بھاری بوجھ اُتار دیا ہو ——— بیٹا! اب تم اُسے جلد اپنے گھر لے آؤ۔ تاکہ مَیں اس کے ہاتھ سب کچھ سونپ کر ذرا چھُٹی پاؤں۔ اور کچھ دِن کاشی اور بندرابن گھوم پھر آؤں"۔

آج بندرابن کے دِل میں بھی اُمید اور یقین کا ویسا ہی دریا بہہ رہا تھا ——— پھر بھی اُس نے شرماتے ہوئے کہا ——— "ماں، وہ آئیگی کیوں؟"

ماں نے استقلال اور یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہا ———

"کیوں آئیگی کیوں نہیں؟ وہ آئیگی تو مجھے چھُٹی ملے گی۔ بندرابن یہ میری بھول تھی جو مَیں اتنے دِن وہاں خود نہیں گئی۔ آتے وقت مَیں نے اسے اپنے ہاتھ کے سونے کے کڑے پہنا کر آشیرواد دیا اور وہ میرے پاؤں کی مٹّی ماتھے پر لگا کر چُپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اُسی وقت مَیں نے سمجھ لیا کہ اب میرے سر سے بوجھ اُتر گیا ——— تم دیکھ لینا، اب سب سے پہلا جو اچھا دِن آئیگا، اُسی دِن میں گھر کی

لکشمی گھر لے آؤنگی"۔

بندرابن نے کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد پوچھا ——
"لیکن وہ آکر تمہارے خاندان کے اس چشم وچراغ کو دیکھے گی تو؟"

ماں نے جواب دیا —— "دیکھے گی تو کیا؟ میرے دل میں تو ایسا کوئی اندیشہ نہیں"۔

"کیوں اندیشہ کیوں نہیں ہے؟"

"بیٹا! میں سونا پہچانتی ہوں —— ابھی یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ بالکل کھرا سونا ہے، لیکن یہ بات یقیناً کہہ سکتی ہوں کہ پیتل نہیں ہے۔ مُلمع بھی نہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی، تو میں اسے اپنے گھر میں لانے کا نام بھی نہ لیتی، ہاں بندرابن کیا بہو تم سے ہمیشہ باتیں کیا کرتی ہے؟"

"نہیں ماں، کبھی نہیں —— لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آج مصیبت میں گرفتار ہو کر رہی ——" یہ کہہ کر وہ کچھ ہنسا اور خاموش ہو گیا۔

ماں نے تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد کچھ سنجیدگی سے کہا —— "بیٹا یہ ٹھیک ہے۔ اِس میں اُس کا کوئی قصور نہیں۔ سب ہی ایسا کرتے ہیں۔ جب آدمی مصیبت میں پڑتا ہے، تو جو حقیقت میں اپنا ہوتا ہے اُسی کے پاس دوڑ کر جاتا ہے۔ میں تو عورت ہوں، پھر بھی، اُس نے اپنے دُکھ کی بات مجھ سے نہیں کہی، تمہیں سے کہی"۔

بندرابن چپ چاپ سنتے رہے۔

ماں نے پھر کہا —— "ابھی مجھے ایک کام اور کرنا ہے۔ اور وہ

یہ کہ کُنج ناتھ کی بھی شادی ہو جائے" ۔

یہ کہہ کر وہ آپ ہی آپ ہنس پڑیں ۔ آخر بولیں —— "وہ بھی خُوب ہے ۔ محلّے بھر کو دعوت دے کر آپ گھر چھوڑ کر بھاگ گیا ۔ پیچھے جو ہو سو ہو" ۔

بندرابن چُپ چاپ ہنسنے لگا ۔

ماں نے کہا —— "سُنا ہے بہو سے بہت ڈرتا ہے ۔ بڑا بھائی ہے ، پھر بھی چھوٹے بھائی کی طرح رہتا ہے ۔ بعض ہستیاں پیدائشی حکمران ہوتی ہیں ۔ اُن سے ڈرے بغیر کام ہی نہیں چلتا ، چاہے آدمی عُمر میں اُن سے بڑا ہی کیوں نہ ہو ۔ ہماری بہو بھی اُسی مادہ سے بنی ہوئی ہے ۔ بہت ہی شانت پھر بھی سخت ۔ مَیں بھی ایسی ہی چاہتی ہوں کہ اُس پر کوئی بوجھ لاد دیا جائے تو وہ اُسے اُٹھا سکے ۔ جب ہی تو میں گھر گرہستی چھوڑ بیفکر ہو کر کہیں باہر جا سکونگی ؟"

تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ پھر کہہ اُٹھیں ——

"مَیں تو کہہ ہی نہیں سکتی کہ ایک ہی دِن کی بات چیت اور دیکھنے سُننے سے مَیں اُسے کتنا چاہنے لگی ہوں ۔ شام سے برابر یہی سوچ رہی ہوں اُسے کب اپنے گھر لاؤں ۔ کب اُسے پھر دیکھوں" ۔

بندرابن دِل ہی دِل میں شرمانے لگے ۔ وہ اُس بات کو دبانے کی غرض سے بولے "ہاں ماں کُنج ناتھ کی کیا بات کہہ رہی تھیں ؟"

ماں نے کہا —— "ہاں ، وہ بات تو رہ ہی گئی تھی ۔ بہو کو

گھر لانے سے پہلے کُنج ناتھ کی گرہستی بسا دینا بھی ہمارا فرض ہے۔ تم گوپال سے کہدو کہ وُہ کل خُوب سویرے گاڑی لے آئے، مَیں ذرا ٹل ڈانگے جاؤں گی۔ وہاں کے گوکل ویراگی کی لڑکی مجھے بہت پسند ہے۔ دیکھنے سُننے میں بھی بُری نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ ـــــ"

بات ختم ہونے سے پہلے ہی بندرابن نے ہنس کر کہا "اِس کے علاوہ گھر میں اکیلی ہی لڑکی ہے۔ کیوں ماں، وُہ ویراگی بھی تو کچھ دھن دولت اور جائداد چھوڑ کر مرا ہے؟"

ماں بھی ہنس پڑیں ـــــ "ہاں بیٹا، تمہارا کہنا سچ ہے۔ کُنج کے لئے اُس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ خالی شادی کرنے ہی سے تو کام نہ چلے گا۔ کھانے پہننے کو بھی تو کچھ ہونا چاہیئے۔ اَور پھر وُہ لڑکی بھی بُری نہیں ہے۔ ذرا سانوّلی ہے، پھر بھی نقش و نگار بہت اچھّے ہیں۔ اب دیکھو، کل صُبح وہاں جانے پر کیا ہوتا ہے!"

بندرابن نے سر جُھکا کر کہا ـــــ "اچھا تو ماں، مَیں بھی مہورت دکھا لوں۔ اَور یہ تو یقین ہی ہے کہ جب تم خود جا رہی ہو، تو خالی ہاتھ لَوٹ کر نہ آؤ گی"۔

چوتھا باب

کُنج ناتھ کے بیاہ کی، لین دین کی اور کھانے پلانے تک کی سب باتیں بالکل طے کر کے بندرابن کی ماں تیسرے پہر گھر لوٹ آئیں ۔
اُسوقت چنڈی منڈپ کے سامنے سے لڑکے ایک قطار میں کھڑے ہو کر پہاڑے پڑھ رہے تھے اور بندرابن ایک طرف کھڑے سُن رہے تھے۔ جیسے ہی بیل گاڑی سامنے آ کر رُکی، فوراً اُن کا چھوٹا سا لڑکا چرن اُس پر سے اُتر کر شور مچاتا ہوا اپنے پِتا کے پاس آ پہنچا۔ آج وہ بھی اپنی دادی کے ساتھ اپنے لئے ممانی تلاش کرنے گیا تھا۔ بندرابن اُسے گود میں لے کر گاڑی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ ماں اُسوقت گاڑی سے اُتر ہی رہی تھیں اُن کا مُسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر بولے ——
"کیوں ماں، کب کا مہورت ٹھیرا؟"
"بس اِسی مہینے کے آخر میں —— اب زیادہ دِن نہیں ہیں —— تم اندر چلو بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ ہنستی ہوئی اندر

چلی گئیں۔ وُہ اِس خُوشی کے مارے پھُولی نہ سماتی تھیں کہ اب میرے گھر بہُو آئیگی۔ اِس کے علاوہ کُسُم کو اُمھن دِن گھر گرہستی کے کام میں ماہر دیکھ کر وُہ اسے بہت ہی چاہنے لگی تھیں۔ اَور صاف دیکھ رہی تھیں کہ اب مَیں بھی سُکھی ہو جاؤنگی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو سُکھی دیکھونگی اَور بہُو کو گھر گرہستی سونپ کر آرام سے یاترا کرنے کے لئے باہر جا سکُونگی۔ اِسی وجہ سے اب اُن کے لئے سب کام آسان ہو گئے تھے۔ اِسی لئے وُہ گوکل کی وِدھوا اِستری کے سب مطالبات منظور کر کے شادی کا تمام خرچ اپنے ذمّے لے کر اَور بات بالکل پختہ کر کے آئی تھیں۔

اُس وقت تک انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ بِندرابن جانتے تھے کہ ماں کہیں جا کر بھوجن کرنے کے لئے جلدی تیار نہیں ہوتیں۔ انہوں نے پاٹھشالہ کے لڑکوں کو چھُٹّی دیدی اور اندر آکر دیکھا کہ وُہ رسوئی بنانے کا کوئی انتظام کرنے کی بجائے ایک طرف خاموش بیٹھی ہیں۔

بِندرابن نے کہا۔۔۔۔"ماں، بھُوکا رہ کر سوچنے سے سب کچھ گڑبڑ ہو جاتا ہے۔ دُوسروں کی فکر بعد میں کرنا۔ پہلے اپنے کھانے کی فکر کرو"۔

ماں نے کہا۔۔۔"اب رسوئی شام کو ہوگی۔۔۔ بیٹا! مَیں ہنسی نہیں کرتی۔ اب وقت بالکل نہیں ہے۔ اُس پاگل کے پاس نہ تو روپیہ پیسہ ہے اور نہ آدمی ہیں۔ سب کچھ ہمیں لوگوں کو کرنا

بگڑے گا۔ لڑکی کی ماں تو بہت ہی چالاک اور کڑی ہے۔ جلدی کسی بات پر راضی ہونا تو جانتی ہی نہیں۔ لیکن میں بھی تو چھوڑنے والی نہیں تھی۔ ارے لو، یہ بھی آ گیا۔ تمہاری عمر ہزار برس کی ہو بیٹا، ابھی تمہاری ہی بات ہو رہی تھی۔ آؤ بیٹھو۔ یکایک اس وقت کیسے چلے آئے؟"

دراصل ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں کسی کے گھر جانے کا یہ وقت نہیں تھا۔

کنج ناتھ کمرے میں پہنچتے ہی اس طرح کی آؤ بھگت دیکھ کر پہلے تو سپٹپٹا گیا۔ پھر کچھ کھسیایا ہوا سا پاس جا کر پرنام کر کے بیٹھ گیا۔

بندرابن نے مذاق کرتے ہوئے کہا ——— "کیوں کنج بھیا تمہیں خبر کیسے ملی؟ رات بھر کے لئے بھی خاموش نہیں بیٹھ سکے؟ ارے کل صبح ہی آکر سن لیتے تو کیا ہرج تھا؟"

بندرابن کی ماں بھی کچھ مسکرائی۔ لیکن کنج کا دھیان اُن کی طرف نہیں گیا۔ اُس نے آنکھیں چڑھا کر کہا ——— "باپ رے! یہ کوئی بہن ہے یا داروغہ!"

بندرابن نے منہ پھیر کر ہنسی چھپائی۔ اُن کی ماں نے ہنسی روک کر پوچھا "معلوم ہوتا ہے بہو نے کچھ کہہ کر بھیجا ہے؟"

کنج ناتھ نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور سنجیدہ ہو کر کہا: "بھلا ماں! تمہاری بھی یہ کیسی بھول ہے! مان لو اگر کسم کی نگاہ نہ پڑتی، کسی اور کی نگاہ جا پڑتی تو پھر تمہیں بتاؤ کیا ہوتا؟"

ماں اُس کی بات کا مطلب نہ سمجھ کر بیچینی سے اُس کی جانب دیکھتی رہ گیئں ۔

بندرابن نے پُوچھا ـــــ "کُنج بھیّا! بتاؤ تو آخر بات کیا ہے؟" فوراً ہی بتا کر کُنج اپنے آپ کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اِس لئے اُس نے بندرابن کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور ماں سے کہا ـــ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا کھلاؤ گی؟ پھر بتلاؤنگا"۔

اِس پر ماں ہنس پڑیں اور بولیں ـــــ "بیٹا یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ یہ گھر تمہارا ہی ہے۔ بتاؤ کیا کھاؤ گے؟"

کُنج نے کہا ـــــ "اچھّا یہ پھر کسی دن دیکھا جائیگا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہاری کون سی چیز کھو گئی ہے؟"

بندرابن کی ماں بھی متفکر ہوئی ـــــ تھوڑی دیر ٹھیر کر مدھم آواز سے بولیں ـــــ میری تو کوئی چیز گُم نہیں ہوئی ۔

یہ سُن کر کُنج قہقہہ لگا کر ہنس پڑا ـــــ پھر اُس نے اپنے دوپٹے میں سے ایک جوڑی سونے کے کڑے نکالے اور کہا ـــــ "تو کیا یہ کڑے تمہارے نہیں ہیں؟" یہ کہہ کر کُنج بڑے زور سے قہقہہ لگا کر آپ آپ ہی ہنسنے لگا ۔

یہ وہی کڑے تھے جو کل ٹھیک اسی وقت بندرابن کی ماں نے بڑی محبّت سے اپنی بہو کے ہاتھوں میں پہنا کر اُسے آشیرواد دیا تھا۔ آج وہی کڑے، وہی آشیرواد، کُسم نے اپنے نا سمجھ بھائی کے ہاتھ لوٹا دیئے

ہیں۔

بندرابن نے چند منٹ اِس طرف دیکھ کر جب اپنی ماں کے چہرے کی جانب آنکھ اُٹھائی تو وہ ڈر گیا۔ تیسرے پہر کی پھیکی روشنی میں وہ کسی مُردے کے چہرے کے مانند زرد دکھائی دیتا تھا ـــــ بندرابن کے دل میں اُس وقت کیا ہو رہا تھا، یہ انترپامی ہی جانتے ہیں۔ لیکن انہوں نے لمحہ بھر میں ہی بڑی کوشش سے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور ماں کے کچھ اور نزدیک ہو کر بہت ہی سیدھے سادے الفاظ میں بڑی سنجیدگی سے کہا ـــــ "ماں یہ ہم لوگوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ بھگوان نے ہم لوگوں کی چیز ہمیں کو لوٹا دی۔ یہ تو تمہارے ہاتھ کے کڑے ہیں ماں، بھلا اُس کا مقدور ہے کہ وہ انہیں پہن سکے؟" پھر اُس نے کُنج سے کہا ـــــ "چلو بھائی، ہم لوگ باہر چل کر بیٹھیں۔" اِس کے بعد وہ اُسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے باہر لے گئے کُنج ٹھیرا سیدھا آدمی، اِسی لئے، خوشی کے مارے بوقت اتنا راستہ چل کر آیا تھا۔ آج دوپہر کے وقت، کھاپی چکنے کے بعد، جب کُسُم نے پژمُردہ شکل سے کڑوں کی وہ جوڑی ہاتھ میں لے کر خشک اور مری ہوئی آواز سے کہا ـــــ "کل وہ لوگ یہاں کڑوں کی جوڑی بھول سے چھوڑ گئے ہیں تمہیں انہیں پہنچانے کے لئے ان کے گھر جانا ہوگا"، تو اسے خوشی کے مارے اِس بات کا موقعہ بھی نہ ملا کہ وہ اپنی بہن کے پژمُردہ چہرے کی طرف دھیان دیتا۔

داؤ پیچ سے وہ واقف نہیں تھا۔ بہن کا کہنا ٹھیک نہیں ہے، یا آدمی، آدمی کو اتنی قیمتی چیز دے سکتا ہے، اور اگر کوئی دے بھی، تو دُوسرا آدمی اُسے قبول نہیں کرتا، لوٹا دیتا ہے، یہ سب باتیں اُس کے خیال میں ناممکن تھیں۔ اِسی لئے وہ راستہ بھر صرف یہی سوچتا آیا کہ وہ لوگ اچانک اپنی کھوئی ہوئی چیز پاکر کیسے خوش ہونگے، اور مجھے کتنا آشیرواد دینگے، وغیرہ وغیرہ ——

لیکن وہاں، ویسا تو کچھ ہُوا ہی نہیں۔ جو کچھ ہُوا وہ اچھا ہُوا یا بُرا، یہ بھی تو ٹھیک طرح سے وہ نہیں سمجھ سکا۔ اتنا بڑا کام کرکے بھی بندرابن کی ماں کے مُنہ سے کوئی اچھی بات کوئی آشیرواد نہ پاکر اُسکا دِل بہت اُداس ہو گیا، بلکہ آہستہ آہستہ اُسے اِس وجہ سے ایک شرمندگی کا احساس ہونے لگا کہ بندرابن اُن کے سامنے سے مجھے زبردستی باہر کھینچ لائے ہیں۔ وُہ شرمندہ اور دُکھی ہو کر خاموش بیٹھا رہا۔ بندرابن نے بھی اُس کے پاس بیٹھ کر کوئی بات نہیں کی۔ اُس وقت اُن کی حالت گفتگو کرنے کے قابل ہی نہ تھی۔ اُن کا دل بے عزّتی کی آگ میں جل رہا تھا۔ وُہ بے عزّتی اُن کی اپنی بے عزّتی نہیں اُن کی ماں کی تھی ؛

اُنہیں اپنے بھلے بُرے یا مان اپمان کا کوئی خیال نہ تھا۔ جس طرح موت کی اذیت باقی سب اذیتوں پر غالب آجاتی ہے اور اپنے سوا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف باقی رہنے نہیں دیتی۔ ماتا کے اپمان سے

مُرجھائے ہوئے چہرے پر چھائی ہوئی مُردنی نے بھی برندابن کے دل پر ویسا ہی اثر کیا اور اپنے ذاتی مان اور اپمان کا تصوّر ہی اس کے ذہن سے نکل گیا ۔

شام کی تاریکی اور بھی زیادہ گہری ہوگئی تھی۔ کُنج نے کہا ——

"اچھا بھائی بندرابن، اب تو مَیں چلتا ہوں"۔

بندرابن نے پاگلوں کی مانند کہا —— "اچھا جاؤ، لیکن پھر کسی دن ضرور آنا"۔

کُنج چلا گیا اور بندرابن وہیں اوندھے مُنہ ہو کر پڑ گئے، وہ سوچنے لگے کہ ماں کی کیسی کیسی امیدیں، مستقبل کی کیسی کیسی تمنّائیں، پل بھر میں خاک ہوگئیں۔ اب مَیں کس طرح اُنہیں مطمئن اور شانت کروں؟ اُن کے پاس چل کر تسلّی کی کون سی بات کہوں۔ اور سب سے بڑھ کر لطف یہ کہ جس نے اِس طرح تمام اُمیدوں کو خاک میں ملا کر اُن کی ماتا کے شانت اور مطمئن دِل کو دُکھ پہنچایا ہے وہ انکی دھرم پتنی ہے اور اس کو وہ پیار بھی کرتے ہیں ۔

پانچواں باب

جس طرح کل صرف ایک دن کے میل ملاپ سے ہی کُسّم نے اپنی ساس اور سوامی کو پہچان لیا تھا۔ اسی طرح وہ بھی اسے پہچان گئے ہیں۔ اِس بات میں اسے ذرا بھی شک نہ تھا۔ جو اسے پہچاننا چاہتے ہیں انہی کے سامنے اپنے آپ کو دن بھر اُلجھائے رکھنے سے کُسّم کو ایک خاص قسم کا لُطف اور سرور حاصل ہو رہا تھا اور اس کا دل خوشی کے مارے پھُولا نہیں سماتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے غیر محسوس طور پر اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ محبّت کی ایک نہ ٹوٹنے والی زنجیر میں جکڑ لیا تھا۔

آج اسی زنجیر کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر جب کُسّم نے سونے کے کڑوں کی جوڑی لوٹا دینے کے لئے اپنے بے سمجھ بھائی گنج ناتھ کو سونپی اور وہ اسے لے کر بڑی خوشی سے چل دیا تو لمحہ بھر کے لئے ایک دردناک مایوسی کے ناقابلِ برداشت بوجھ نے اس کے دل پر غلبہ پا لیا۔ وہ

کوٹھڑی میں جاکر رونے لگی۔ جیسے وہ محسوس کر رہی ہو کہ اس کا یہ نفرت انگیز اقدام اُن لوگوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور نا قابلِ برداشت ہوگا۔ اور اس کے متعلق ان کے دلوں میں نہ جانے کیا تبدیلی پیدا ہو جائے گی ؛

شام کب کی ہو چکی تھی۔ کُنج لَوٹ آیا تھا۔ اس نے چاروں طرف پھیلی ہوئی تاریکی کو دیکھ کر اپنی بہن کی کوٹھڑی کے سامنے جاکر پُوچھا

"چراغ نہیں جلایا" ؛

کُسم پھر بھی چُپ چاپ زمین پر بیٹھی رہی لیکن پھر کچھ نادم سی ہو کر اُٹھ بیٹھی اور بولی۔ "ابھی جلا دیتی ہوں، بھیّا تم کب آئے"۔ "بس ابھی آ رہا ہوں" کُنج ناتھ چلم میں تمباکو بھرتے ہوئے بولا ؛

چراغ میں تیل ڈالنے اور بتّی وغیرہ بنانے میں کُسم کو کچھ دیر ہوگئی جب وہ فارغ ہوئی تو کُنج ناتھ جا چکا تھا ؛

روز کی طرح آج بھی کُسم کُنج کو کھانا دے کر دُور جا بیٹھی وہ چُپ چاپ کھانا کھانے لگا اور زبان سے کچھ نہ بولا۔ وُہ شخص جو حد درجہ باتونی تھا اور باتوں کے مقابلے میں اور کسی چیز کو بھی پسند نہ کرتا تھا اسے آج اچانک ہی اس طرح خاموش دیکھ کر کُسم کے دل میں شک و شبہات پیدا ہو گئے۔ اسے اس بات کا تو یقین ہو گیا تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ لیکن وہ کیا ہے اور کس نوعیت کا ہے یہ جاننے کے لئے اس کی بیقراری بڑھنے لگی۔ اسے خیال ہونے لگا کہ انہوں نے بھیّا کی بہت بے عزّتی کی ہے کیونکہ یہ وُہ اچھی طرح جانتی ہے کہ چھوٹی موٹی

بے عزتی کو میرا بھائی کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اور اگر سمجھ بھی لیتا ہے تو اتنی دیر تک اسے دل میں نہیں رکھ سکتا۔ کھانا کھا کر جب کُنج جانے لگا تو کُسم کے لئے چُپ رہنا ناممکن ہو گیا اس نے میٹھی آواز میں پُوچھا

—— "بھیا وہ کڑے کس کے ہاتھ میں دئے تھے"؟

کُنج نے حیران ہو کر کہا —— "بھلا اور کس کے ہاتھ دیتا؟ ماں کو پکڑا آیا تھا"؟

—— "انہوں نے کیا کہا"؟

—— "کچھ بھی نہیں" کہہ کر کُنج باہر چلا گیا؛

دُوسرے دن کُنج جب پھیری کے لئے باہر جانے لگا تو خود ہی کُسم کو پُکار کر بولا —— کُسم تمہاری ساس کو جانے کیا ہو گیا ہے۔ ایسی چیز ہاتھ میں دے آیا مگر ایک بات بھی نہ بولیں۔ اس سے اچھا تو برندابن ہی نکلا جو خوش ہو کر کہنے لگا —— ماں مقدور ہے کہ کوئی ایسا ویسا آدمی تمہارے کڑوں کو اپنے ہاتھ میں پہن سکے۔ ہماری قسمت بہت بلند ہے ماں! اسی لئے بھگوان نے ہم لوگوں کی چیز ہمیں کو لوٹا کر ہمیں خبردار کر دیا ہے"۔

—— ہیں! یہ کیا کُسم"؟

کُسم کا گورا گورا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا تھا۔ اس نے زور سے سر ہلا کر کہا —— نہیں، کچھ نہیں، لیکن یہ بات کیا انہوں نے خود کہی تھی؟"

کُنج ـــــــــ "ہاں خود انہوں نے کہی تھی۔ ماں تو مُنہ سے بولیں ہی نہیں۔ اس کے علاوہ صُبح سے ہی وُہ نہ جانے کہاں گئیں تھیں، اُس وقت تک نہ کچھ کھایا تھا اور نہ غُسل ہی کیا تھا۔ وُہ میرے مُنہ کی طرف ایسے دیکھتی رہیں، جیسے ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا ہو کہ میں نے ان کو کیا دیا اور کیا کہا"۔

یہ کہہ کر کُنج آپ ہی آپ ایک دو بار گردن ہلا کر جھنجھلا سر پر اُٹھائے باہر چلا گیا۔

تین چار دن گزر گئے۔ رسوئی ٹھیک نہیں بنی تھی۔ اِسی لئے کُنج نے کل اور پرسوں مُنہ پھلا لیا تھا۔ آج کھُلم کھُلا شکایت کرنے سے بھائی بہن میں جھگڑا ہو گیا۔

کُنج رسوئی پھینک کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "کبھی یہ جل جاتا ہے، کبھی وہ خراب ہو جاتا ہے۔ آجکل تمہارا دل کہاں رہتا ہے کُسُم؟"

کُسُم نے بھی غُصّے میں بھر کر جواب دیا "میں کسی کی زر خرید لونڈی نہیں ہُوں۔ مجھ سے رسوئی نہیں ہوگی۔ جو اچھی رسوئی بنا کر کھلائے اُسی کو جا کر لے آؤ"۔

کُنج بھوک سے برگشتہ خاطر ہو رہا تھا۔ آج وُہ ڈرا نہیں۔ ہاتھ مٹکا کر کہا۔ "پہلے تو یہاں سے چلی جا، پھر دیکھنا کہ میں لاتا ہُوں یا نہیں"۔ اس کے بعد وُہ باہر چلا گیا۔

کُسُم اُسی دِن سے جی بھر کر رونے کے لئے بیچین ہو رہی تھی۔ آج

موقعہ پا کر اس نے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔ بھائی کی پروسی ہوئی تھالی پڑی رہی۔ صدر دروازہ ویسا ہی کھلا رہا، اور وہ رسوئی گھر کی چوکھٹ پہ سر رکھ کر اس طرح رونے لگی جیسے کوئی مر گیا ہو ÷

اُس وقت شاید دس بجے تھے۔ گھنٹے بھر تک خوب اچھی طرح رو دھو کر وہ تھک کر سو گئی۔ اچانک اُس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ بندرابن آنگن میں کھڑے "کُنج بھیا" کہہ کر پکار رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک پانچ چھ برس کا موٹا تازہ اور خوبصورت بچہ کھڑا تھا۔ کُسم نے گھبرا کر گھونگھٹ کھینچ لیا اور جلدی سے کواڑ کی آڑ میں کھڑی ہو گئی۔ اُس وقت وہ سب کچھ بھول کر کواڑ کے سوراخوں میں سے ٹکٹکی لگائے اُسی حسین بچے کی طرف دیکھ رہی تھی ÷

اُس نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ میرے پتی کی اولاد ہے۔ دیکھتے دیکھتے اچانک اُس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور اُس کے دونوں ہاتھ گویا ہزار ہاتھ بن کر اُسے چھین لینے کے لئے آگے بڑھنے لگے لیکن نہ تو وہ آواز ہی دے سکی اور نہ اُس طرف قدم ہی بڑھا سکی۔ صرف پتھر کے بُت کی مانند ٹکٹکی لگائے اُس بچے کی جانب دیکھتی رہی۔ کسی کی بھی آہٹ نہ پا کر بندرابن بڑے حیران ہوئے آج صُبح ہی وہ اپنے کسی کام سے ادھر آئے تھے۔ اور کام بنٹا کر لوٹ رہے تھے۔ دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے۔ اِس خیال سے کہ کُنج گھر میں ہوگا گاڑی سے اُتر کر اندر چلے آئے تھے۔ کُنج سے انہیں ضروری کام تھا۔ بیل گاڑی تیار

ہوتی دیکھ کر اُن کا لڑکا بھی سوار ہو گیا تھا اِس لئے وُہ بھی اُن کے ساتھ تھا ﴿

بندرابن نے پھر پکارا ——— "کیا کوئی گھر میں نہیں ہے؟"

اس پر بھی کوئی جواب نہیں ملا ﴿

چرن نے کہا ——— "بابُو جی بڑی پیاس لگی ہے۔ پانی پیٔونگا"

بندرابن نے دھمکاتے ہوئے کہا "نہیں، پیاس نہیں لگی، جاتے وقت ندی پر پینا" ﴿

بیچارہ بچہ مُنہ بسور کر چُپ رہ گیا ﴿

اُس دِن تو کُسم شرم کے جذبات پر قابو پا کر کھُلم کھُلا بندرابن کے سامنے آگئی تھی۔ اور ضروری بات چیت بھی آسانی سے کر لی تھی، لیکن آج نہ جانے کیوں اس کا تمام جسم شرم سے پانی پانی ہونے لگا۔ اگر چرن نے پانی نہ مانگا ہوتا تو آج شائد وہ کسی طرح بھی باہر نہ نکل سکتی۔ پہلے تھوڑی دیر تو اُسے پس و پیش ہوا، لیکن پھر اُس نے ایک چھوٹا سا آسن لا کر برآمدے میں بچھا دیا اور پاس آ کر چرن کو گود میں اُٹھا کر چُپ چاپ اندر چلی گئی ﴿

بندرابن نے یہ اشارہ تو سمجھ لیا، لیکن اُس کی سمجھ میں بات نہ آئی کہ چرن کیا سوچ کر بغیر کچھ کہے سُنے چُپ چاپ ایک اجنبی عورت کی گود میں چلا گیا ہے۔ اِدھر چرن حیران سا ہو گیا۔ ایک تو ابھی اُس نے اپنے پِتا کی گھُرکی کھائی تھی۔ اُوپر سے ایک بالکل اجنبی جگہ میں نہ

جانے کون کہاں سے آ کر اُسے اِس طرح اُٹھا لے گیا۔ یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ اس سے پہلے کسی نے اسے اِس طرح نہ اُٹھایا تھا۔

کُسم نے چرن کو اندر لے جا کر بتاشے دیئے، تھوڑی دیر تک ٹکٹکی لگا کر اُس کی جانب دیکھا اور پھر اچانک بڑے زور سے اُسے چھاتی سے چمٹا کر رونا شروع کر دیا۔

چرن جب اُس کے بازوؤں کی کڑی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا، تو کُسم نے آنسو پونچھ کر کہا "یہ کیا بیٹا، مَیں تو تمہاری ماں ہوں!"

کُسم ہمیشہ سے بچّوں کو چاہتی تھی۔ اگر کبھی کوئی بچّہ اُس کے ہاتھ میں آ جاتا، تو وُہ جلدی اُسے چھوڑتی ہی نہ تھی، لیکن آج تو اسے کل سنسار کو اپنی آغوش میں لینے کی خواہش ہو رہی تھی۔ ماممتا کی اتنی شدید آندھی اس کے دل میں پہلے کبھی نہ اُٹھی تھی۔ وُہ محسوس کر رہی تھی۔ یہ حسین تندرست اور موٹا تازہ بچّہ میرا ہی ہو سکتا تھا، لیکن کیوں نہ ہُوا؟ کس نے یہ رُکاوٹ ڈالی؟ اولاد سے محروم کرنے کا یہ ظالمانہ حق دُنیا کو کیوں ملا۔ وُہ چرن کو جتنا بھی اپنی چھاتی سے چمٹاتی تھی، اُتنا ہی اُس کا شفقتِ مادری سے محروم دل زیادہ بیچین ہو رہا تھا۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ اس کی دولت کسی نے زبردستی اور غیر منصفانہ طریق پر اُس سے چھین لی ہے۔

چرن کے لئے یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ اگر یہ وُہ پہلے جانتا تو شاید ندی پر جا کر ہی پانی پیتا۔ کُسم کا اظہارِ محبت اس کے

لئے پیاس کی شدت سے زیادہ ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ آخر اُس نے تنگ آ کر کہا ــــــ "چھوڑ دو"۔

کُسم نے اپنے دونوں ہاتھوں میں اُس کا مُنہ لے کر کہا ــــــ "ماں کہو، تب چھوڑوں گی"۔

چرن نے سر ہلا کر کہا ــــــ "نہیں"۔

"تو پھر نہیں چھوڑوں گی"۔ یہ کہہ کر کُسم نے اُسے پھر زور سے چھاتی کے ساتھ چمٹا لیا۔ اور پیار سے اس کا مُنہ چُوم کر کہا۔ "ماں نہ کہو گے، تو کسی طرح بھی نہ چھوڑوں گی"۔

چرن نے روتی سی شکل بنا کر کہا ــــــ "ماں!"

اب تو چرن کو چھوڑنا کُسم کے لئے اور بھی مُشکل ہو گیا۔ وہ اُسے اپنی چھاتی سے چمٹا کر رونے لگی۔

دیر ہو رہی تھی۔ باہر سے بندرابن نے کہا ــــــ "ارے چرن، تُو نے پانی پی لیا؟"

چرن نے روتے ہوئے کہا ــــــ "یہ تو چھوڑتی ہی نہیں"۔

کُسم نے آنسو پونچھ کر روندھے ہوئے گلے سے کہا ــــــ "آج چرن میرے پاس رہیگا"۔

بندرابن نے دروازے کے پاس آ کر کہا ــــــ "بھلا وہ کیسے رہ سکیگا؟ اور اُس نے ابھی تک کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔ ماں بہت گھبرائے گی"۔

کُسم نے اُسی طرح جواب دیا ــــــ "نہیں وہ یہیں رہے گا۔ آج میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے"۔

بندرابن نے پُوچھا ــــــ "کیوں کیا ہُوا ہے؟"

کُسم نے پہلے تو کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولی "تم گاڑی لوٹا دو، دیر بہت ہو گئی ہے۔ میں ندی پر جا کر چرن کو اشنان کراتی ہوں"۔ یہ کہہ کر کُسم کسی قسم کے جواب کا انتظار کئے بغیر انگوچھا اور تیل کی کٹوری ہاتھ میں لے کر چرن کو گود میں لئے ہوئے ندی کو چلی گئی۔

گھر کے ساتھ ہی چھوٹی سی شفاف پانی کی ندی بہتی تھی۔ اُسے دیکھتے ہی چرن خوش ہو گیا۔ اُس کے گاؤں میں ندی نہیں، ایک چھوٹا سا کچّا تالاب ہے۔ جس میں کوئی اسے اُترنے نہیں دیتا تھا۔ گھاٹ پر بیٹھ کر اُس نے تیل ملا۔ پھر وہ گھٹنوں تک پانی میں کود پڑا۔ جب اُچھل کُود کے بعد اشنان کر کے کُسم کی گود میں سوار ہو کر گھر لوٹا تو ماں بیٹے میں ایک عجیب پریم کا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ کُسم لڑکے کو گود میں لئے ہوئے سامنے آئی۔ اُس کا سارا مُنہ کھلا تھا۔ جاتے وقت وہ طبیعت خراب ہونے کی بات کہہ گئی تھی لیکن اب تو اُس کے چہرے پر دُکھ یا تکلیف کا نشان بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ بلکہ تازہ کھلے ہوئے گلاب کی مانند اُس کے ہونٹ دبی مُسکراہٹ سے کھلے پڑتے تھے۔ اُس کی گفتار میں کسی طرح کے پس و پیش، شرم یا ہچکچاہٹ کا نشان موجود

نہ تھا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا ــــــ "اچھا اب تم جاؤ اور اشنان کر آؤ"۔

"اُس کے بعد؟"

"کھانا ہو گا"۔

"اُس کے بعد؟"

"کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کرنا"۔

"پھر اُس کے بعد؟"

"جاؤ میں نہیں جانتی۔ لو انگوچھا لو اور دیر مت کرو"۔

یہ کہہ کر کُسُم نے ہنستے ہنستے انگوچھے کو بندرابن کے اوپر پھینک دیا۔

بندرابن نے انگوچھا پکڑ لیا اور مُنہ پھیر کر ایک لمبی سرد آہ بھر کر کہا ــــ "بلکہ تم ہی دیر نہ کرو۔ چرن کو کچھ کھلا پلا دو۔ مجھے گھر جانا ہی ہو گا"۔

"کیوں جانا ہو گا؟ گاڑی کے لَوٹ جانے پر ماں خود ہی سمجھ جائیں گی"۔

"ٹھیک اِسی لئے گاڑی نہیں لوٹائی ہے۔ وہ آگے بڑ کے نیچے کھڑی ہے"۔

یہ سُن کر کُسُم کا ہنستا ہُوا چہرہ اُداس ہو گیا۔ تھوڑی دیر سُوکھے مُنہ سے بندرابن کی طرف دیکھ کر اس نے کہا "پھر تو ماں سے بغیر پُوچھے تمہارا یہاں آنا بھی ٹھیک نہیں ہُوا"۔

کُسم کی گفتگو کا انداز پہچان کر بندرابن ہنس پڑے۔ لیکن اُس ہنسی میں آنند نہیں تھا۔ سنجیدگی سے بولے "کُسم میری پرورش کچھ اس طرح ہوئی ہے کہ ماں کے حکم کے بغیر اس گھر میں تو کیا اِس گاؤں میں بھی پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ لیکن خیر، جانے دو۔ جو بات ہو گئی ہے اُسے پھر سے اُٹھانے میں کسی بھی طرف کا کوئی فائدہ نہیں، نہ تمہارا نہ میرا۔ جاؤ اب دیر نہ کرو۔" یہ کہہ کر بندرابن پھر آسن پر بیٹھ گئے۔

کُسم بڑی مشکل سے آنسو روک کر چُپ چاپ نیچا مُنہ کئے لڑکے کو لے کر کوٹھڑی میں چلی گئی۔ گھنٹے بھر بعد جب دونوں باپ بیٹا گاڑی پر بیٹھ کر گھر لوٹ رہے تھے۔ تو راستے میں چرن نے پُوچھا —— "بابو جی، ماں اتنی روتی کیوں تھیں؟"

بندرابن نے حیران ہو کر پُوچھا "کیوں رے، تجھے یہ کس نے کہا کہ وُہ تیری ماں ہے"۔

چرن نے زور دیتے ہوئے کہا "وُہ میری ماں ہی تو ہیں — کیا وُہ ماں نہیں ہیں؟"

بندرابن نے اِس بات کا کوئی جواب نہ دے کر پُوچھا ——

"تُو اپنی ماں کے پاس رہ سکتا ہے؟"

چرن نے بہت خوش ہو کر سر ہلاتے ہوئے کہا —— "ہاں،

رہ سکتا ہوں"۔

"اچھا" کہہ کر بندرابن گاڑی میں ایک طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور سورج کی کرنوں سے تپے ہوئے شفاف نیلے آسمان کی جانب دیکھنے لگے۔

دوسرے دن تیسرے پہر پانی لانے کے لئے ندی پر جاتے وقت کُسم اپنے صدر دروازے کی سٹکنی لگا رہی تھی، کہ بارہ تیرہ سال کے ایک لڑکے نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پاس آ کر پوچھا——
"تم کُنج ویراگی کا مکان بتا سکتی ہو؟"
کُسم نے کہا —— "ہاں بتا سکتی ہوں، کہاں سے آئے ہو؟"
"باڈل گاؤں سے پنڈت جی نے چٹھی دی ہے" یہ کہہ کر اُس نے اپنے میلے دوپٹے سے چٹھی کھول کر دکھائی۔
کُسم کی رگوں کا خون اُبل پڑا۔ دیکھا اُس پر اُس کا اپنا نام ہے۔ چٹھی کھول کر دیکھی۔ بہت طویل لکھی ہوئی تھی —— خود بندرابن کے ہاتھ کی۔
خط کا مضمون پڑھنے کے زبردست اشتیاق کو بمشکل دبا کر وہ لڑکے کو بُلا کر اندر لے گئی اور اُس سے پوچھا —— "تم، پنڈت جی کسے کہہ رہے تھے؟ تمہیں چٹھی کس نے دی؟"
لڑکے نے حیران ہو کر کہا —— "پنڈت جی نے دی"۔
کُسم کو پاٹھشالہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اِس لئے وہ کچھ سمجھ نہ سکی۔

اُس نے پُوچھا —— "تُم چرن کے پتا کو جانتے ہو؟"
"ہاں جانتا ہوں —— وہی تو پنڈت جی ہیں"۔
"تُم اُن سے پڑھتے ہو؟"
"مَیں پڑھتا ہوں اَور پاٹھشالہ میں اَور بھی بہت سے لڑکے پڑھتے ہیں"۔

کُسُم کا اشتیاق اَور بھی بڑھا اَور اُس نے کئی سوال کر کے اِس کے متعلق سب باتیں جان لیں۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ پاٹھشالہ پنڈت جی کے گھر میں ہی قائم ہے۔ اُس میں لڑکوں کو فیس نہیں دینی پڑتی۔ پنڈت جی اپنے پاس سے لڑکوں کو کتابیں، سلیٹیں، پنسلیں وغیرہ خرید دیتے ہیں۔ جن غریب لڑکوں کو دن کو وقت نہیں ملتا، وُہ شام کے وقت پڑھنے آتے ہیں۔ اَور جب ٹھاکر جی کی آرتی ہوتی ہے، تو پرساد لے کر ہنستے کھیلتے اپنے گھر لوٹ جاتے ہیں۔ دو لڑکے عُمر میں بڑے بھی ہیں جو پاٹھشالہ میں انگریزی پڑھتے ہیں، یہ سب باتیں کُسُم نے جان لیں اور لڑکے کو بتاشے دے کر رخصت کر دیا۔ اِس کے بعد وہ چِٹھّی کھول کر پڑھنے لگی۔

کُسُم کا سُکھ کا خواب گویا کسی نے دھکّا دے کر ختم کر دیا۔ چِٹھّی اُسی کو لکھی گئی تھی۔ لیکن اُس میں اُس کو کسی طرح سے بھی مخاطب نہ کیا گیا تھا۔ محبّت کی کوئی بات نہیں تھی، یہاں تک کہ "آشیرواد" تک موجود نہیں تھی۔ اور یہ ان کا پہلا خط تھا۔ اگرچہ اس سے

پہلے اَور کسی نے اُسے کبھی کوئی خط نہ لکھا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی سکھی سہیلیوں کے کئی خط دیکھے تھے۔ اُن چٹھیوں اور اِس چٹھی میں میں کتنا بڑا فرق تھا۔ اِس میں شروع سے لے کر آخر تک صرف کام ہی کی باتیں تھیں۔ موضوع ہے کُنج کے بیاہ کی بات۔ یہی بات کہنے کے لئے وُہ کل آئے تھے۔ اُنہوں نے لکھا ہے کہ ماں نے کُنج ناتھ کے بیاہ کی بات چیت پختہ کر لی ہے۔ اور بیاہ کا سارا خرچ بھی وُہ اپنے پاس سے دینگی۔ ہر حال میں یہ بیاہ ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اِس سے کُنج ناتھ کی اَور اُس کے ساتھ خود کُسُم کی بھی دُنیاوی تکالیف دُور ہو جائیں گی یہ اشارہ خط میں خاص طور پر کیا گیا تھا ؛

ایک بار ختم کرنے کے بعد اُس نے خط کو ایک بار پڑھنے کی پھر کوشش کی، لیکن اِس بار سب الفاظ جیسے اُس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے ۔ چٹھی بند کر کے وُہ کسی طرح اپنی کوٹھڑی میں جا کر لیٹ گئی۔ اتنی بڑی خوشخبری بھی اُس کے دل میں کوئی مسرّت پیدا نہ کر سکی ؛

چھٹا باب

تقریباً ایک ماہ ہُوا کہ کُنج ناتھ کی شادی ہو گئی ہے۔ اُس دن کے بعد بندرابن پھر نہیں آیا۔ شادی کے دن بھی وُہ یہ کہہ کر غیر حاضر رہا کہ مجھے بخار ہو گیا ہے۔ اُس کی ماں چرن کو لے کر صرف اُسی دن کے لئے آئی تھیں۔ کیونکہ اپنے گھر کے دیوتا کو چھوڑ کر وُہ کہیں دوسری جگہ رہ نہیں سکتیں۔ صرف چرن چار پانچ دن رہا۔ اپنے دل کے مطابق ماں پا کر اور کچھ ندی میں نہانے کے لالچ سے، اُس نے لَوٹ کر اپنے گھر جانا نہیں چاہا۔ لیکن چند دن کے بعد وُہ اسے زبردستی گھر لے گئے۔ اُسوقت سے کُسم کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔

شادی سے پہلے کُسم کے دل میں جو شُبہات پیدا ہوئے تھے۔ اب وُہ حرف بحرف پُورے ہوتے نظر آتے ہیں۔ وُہ اپنے بھائی کو بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ بھیّا اپنی ساس کے کہنے پر گھر کی یہ تکلیف دہ زندگی چھوڑ کر اپنے سُسرال جانے کے لئے تیار

ہو جائیں گے۔ ٹھیک وہی ہُوا۔ جس سر پر سہرا باندھ کر گنج شادی کرنے گیا تھا، اب اُس پر ٹوکرا اُٹھانا اس نے پسند نہیں کیا۔ اگر نل ڈانگے کے لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ شادی کے وقت بندرابن کی ماں نے بڑی دانشمندی کر کے کچھ نقد روپے دیئے تھے۔ انہی میں سے کچھ مال خرید کر باہر راستے پر چھپّر ڈال کر وُہ ایک مناری کی دُکان کھول کر بیٹھ گیا۔ لیکن وہاں ایک پیسے کی بھی بکری نہیں ہوتی۔ اِس ایک ماہ کے دَوران میں وُہ نئے کپڑے اور نئے جُوتے پہن کر تین بار سُسرال جا چکا تھا۔ پہلے وُہ کُسم سے بہت ڈرا کرتا تھا۔ لیکن اب نہیں ڈرتا۔ جب اُسے کہا جاتا کہ گھر میں چاول دال کچھ بھی نہیں ہے۔ تو وُہ چُپ چاپ جا کر دُکان پر بیٹھ جاتا یا کہیں اِدھر اُدھر کھسک جاتا اَور دن بھر گھر نہ آتا۔ یہ حال دیکھ کر کُسم بہت گھبرائی۔ اُس کے پاس جو تھوڑے سے جمع کئے ہُوئے روپے تھے، وُہ سب خرچ ہو کر ختم ہونے کو تھے۔ مگر گنج نے آنکھیں نہ کھولیں اپنی نئی دُکان پر بیٹھ کر سارا دن وہ تمباکو پینے اور اُونگھنے میں ضائع کر دیتا۔ جب دو چار آدمی آ بیٹھتے تو وہ اپنے سُسرال کی باتیں سُنانے اور اپنی نئی جائداد کی فہرست تیار کرنے میں مصروف ہو جاتا۔

اُس دن گنج صبح اُٹھ کر اپنے نئے چمکیلے جُوتوں میں تیل لگا کر انہیں اور چمکا رہا تھا۔ کُسم رسوئی گھر سے باہر نکل کر تھوڑی دیر تو دیکھتی رہی پھر بولی ——— معلوم ہوتا ہے آج پھر نل ڈنگے جاؤ گے

کُنج صرف "ہُوں" کر کے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد کُسم نے نرم آواز میں کہا ——— "بھیّا! ابھی تم اُس دِن تو وہاں گئے تھے۔ آج ذرا جا کر میرے چرن کو دیکھ آؤ! بہت دِن سے لڑکے کی کوئی خبر نہیں ملی ہے۔ میرا دِل گھبرا رہا ہے"۔

کُنج نے چِڑھ کر کہا ——— "تمہارا دِل تو سبھی باتوں میں گھبراتا ہے۔ وہ اچھی طرح ہے"۔

کُسم کو غُصّہ آ گیا ——— لیکن اُسے روک کر بولی ——— "وہ اچھا ہی رہے۔ پھر بھی، جا کر اُسے ایک مرتبہ دیکھ آؤ، سُسرال کل چلے جانا"۔

کُنج نے گرم ہو کر کہا ——— "کل جانے سے کیسے کام چلے گا؟ وہاں کوئی مرد تو ہے نہیں۔ زمین جائداد اور گھر بار کی نگرانی کا سارا بوجھ میرے ہی سر تو ہے۔ مَیں اکیلا آدمی کِدھر کِدھر دھیان دوں؟"

بھائی کی بات چیت اور رنگ ڈھنگ سے اب کی بار کُسم ناراض ہونے پر بھی ہنس پڑی۔ اُس نے ہنستے ہنستے کہا ——— "نہیں بھیّا تم سب سنبھال لوگے۔ مَیں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں، آج ایک بار چلے جاؤ۔ سچ مچ نہ جانے آج کیوں میرا دل اس کے لئے بہت گھبرا رہا ہے"۔

کُنج جُوتوں کو ہاتھوں سے ہٹا کر بڑی کرخت آواز میں بولا ——— "مجھ سے نہیں جایا جائیگا۔ بندرابن میری شادی کے وقت نہیں

کُنج نے بگڑ کر جواب دیا ــــــ "کون کسی کی شادی کراتا ہے؟ ماں رساس، کہتی ہیں کہ جب پھُول کھِلنا چاہتا ہے، تو اُسے کوئی روک نہیں سکتا۔ بیاہ اپنے آپ ہو جاتا ہے"۔

"اپنے آپ ہو جاتا ہے؟"

"ہوتا ہی تو ہے"۔

کُسم نے اور کچھ نہیں کہا ــــ چُپ چاپ اپنی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ شرم اور نفرت کے مارے اُس کی چھاتی پھٹنے لگی۔ چھی، چھی اگر کہیں وُہ یہ باتیں سُن پائیں! سُنیں گے تو یہی سمجھیں گے کہ دونوں بہن بھائی ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں قریباً بیس منٹ بعد جب کُسم نے نئے جُوتوں کے پہنے جانے کی آواز سُنی تو اُس نے باہر آ کر پُوچھا۔ "کب لَوٹو گے؟"

"کل صُبح"۔

"مجھے اِس طرح گھر پر اکیلے چھوڑ کر جانے میں تمہیں ڈر نہیں لگتا، شرم نہیں آتی؟"

"کیوں، کیا یہاں کوئی شیر یا بھیڑیا بیٹھا ہے جو تمہیں کھا جائیگا؟ مَیں صُبح ہی تو لَوٹ آؤنگا"۔ یہ کہہ کر کُنج سُسرال کو چل دیا۔

کُسم نے لَوٹ کر جلتے ہوئے چُولھے میں پانی ڈال دیا اور جا کر بستر پر لیٹ گئی۔

آئے، کیوں، وُہ کیا اتنے ہی بڑے آدمی ہیں، جو ہمارے یہاں آ نہیں سکے؟"

اگرچہ گُنج کی باتیں کُسُم کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھیں، پھر بھی اُس نے سنجیدگی سے کہا—"اُس دن انہیں بخار آ گیا تھا"۔

"بُخار وُخار نہیں آیا تھا— نل ڈانگے میں میری ساس نے اس خبر کو سُن کر اُسی وقت کہہ دیا تھا کہ جھُوٹ ہے، چالاکی ہے۔ انہیں دھوکا دینا کوئی آسان بات نہیں۔ جانتی ہو، وُہ گھر بیٹھی دُنیا بھر کی خبر بتلا سکتی ہیں۔ نمک حرام اَور کسے کہتے ہیں؟ ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ مَیں اُن کا مُنہ بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" اتنا کہہ گُنج کھڑا ہو کر پُروقار انداز میں جُوتا پہننے لگا۔

کُسُم تھوڑی دیر تک اس طرح خاموش کھڑی رہی جیسے اُس پر پہاڑ گر پڑا ہو۔ پھر اُس نے آہستہ سے کہا، "وہ نمک حرام ہیں تم نے اُس دن اُن کو خُوب ہی تو نمک کھلایا تھا جس دن اپنے گھر بُلا کر خود بھاگ گئے تھے۔ بھیّا! مَیں خواب میں بھی یہ خیال نہ کر سکتی تھی کہ تم ایسے احسان فراموش ہو جاؤ گے"۔

اِس الزام کا گُنج کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اِس لئے وُہ اِس طرح کھڑا رہا جیسے کچھ سُنا ہی نہ ہو۔

کُسُم نے پھر کہا—"جسے تم زمین جائداد کہتے ہو وہ تمہاری کس طرح ہوئی؟ آخر تمہاری شادی کس نے کرائی تھی؟

ساتواں باب

جس طرح کوئی بُرے کام کرنے والا مایوسی اور نااُمیدی کے عالم میں اپنا قصور تسلیم کرنے لگتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح کی شکل بنا کر بندرابن نے اپنی ماں کے پاس جا کر کہا — "ماں تم مجھے معاف کرو اور اجازت دو کہ میں ڈھونڈ کر تمہارے لئے ایک داسی لے آؤں مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ تم گھر گرہستی کا بوجھ اُٹھاتے اُٹھاتے ہی مر جاؤ"۔

ماں ٹھاکر گھر میں پوجا کا سامان ٹھیک کر رہی تھی۔ سر اُٹھا کر بولی "کیا کریگا؟"

"تمہارے لئے ایک داسی لے آؤں، وہ چرن کو دیکھے گی، تمہاری خدمت کرے گی، اور ضرورت ہونے پر ٹھاکر جی کی سیوا اور پوجا کا کام بھی کرے گی۔ بس، اجازت دیدو" اتنا کہہ کر بندرابن بیچین اور دُکھی نگاہوں سے اپنی ماں کے مُنہ کی جانب دیکھنے لگا۔

اب ماں نے اپنے بیٹے کی بات کا مطلب سمجھا۔ کیونکہ اپنی قوم کے علاوہ اور داسی اِس گھر میں آ نہیں سکتی تھی۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد اُس نے پُوچھا ــــ "کیا تو یہ سچ کہہ رہا ہے؟"

"سچ نہیں، تو اور کیا جھُوٹ کہہ رہا ہوں؟ تم جانتی ہو ماں، کہ ہوش سنبھالنے کے بعد میں نے کبھی جھُوٹ نہیں بولا"۔

"اچھّا ذرا غور کر لوں" کہہ کر بندرابن کی ماں کچھ ہنسی اور پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

بندرابن سامنے جا بیٹھے اور بولے "نہیں ماں یہ نہیں ہوگا۔ میں تمہیں سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں دونگا۔ یہی سوچ کر آیا ہوں کہ تم سے اجازت لے کر ہی اِس کوٹھڑی سے باہر نکلوں گا۔ اجازت لے کر ہی ٹلوں گا"۔

"سوچنے سمجھنے کے لئے وقت کیوں نہیں دو گے؟"

"ماں، اُس کی ایک وجہ ہے۔ تم سوچ سمجھ کر جو کچھ کہو گی، وُہ تُمہاری اپنی بات ہوگی، میری ماں کا حُکم نہیں ہوگا۔ میں بھلا بُرا مشورہ نہیں چاہتا، صرف اجازت چاہتا ہوں"۔

ماں نے سر اُٹھا کر اور کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا "لیکن، جب ایک دن حکم دیا تھا، تجھے منانا چاہا تھا، تو تو مانا نہیں تھا بندرابن!"

"یہ میں جانتا ہوں ماں۔ اُسی گُناہ کی پاداشں میں تو اِس وقت چاروں طرف سے مُشکلات میں گھِر گیا ہوں" یہ کہہ کر بندرابن نے

سر جھکا لیا۔

"لڑکے نے یہ تجویز صرف میری راحت کے لئے ہی پیش کی ہے۔ اور اسے عملی شکل دیتے ہوئے نہ معلوم ان کے دل پر کیا گزرے گی یہ سوچ کر ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے بیٹے کو ٹالنے کی غرض سے کہا "ابھی رہنے دو، بندرابن۔ دو ایک دن بعد کہوں گی"۔

بندرابن نے ضد کرتے ہوئے کہا "جس وجہ سے تم پس و پیش کر رہی ہو ماں، وہ بات دو دن بعد بھی نہ ہو گی۔ جس نے تمہارا اپمان کیا ہے۔ اگر خواہش ہو تو تم اسے معاف کر سکتی ہو۔ لیکن میں نہیں کروں گا۔ ماں، اب میں برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اجازت دیدو تا کہ میں سکھی ہو کر زندگی گزار دوں"۔

ماں نے تھوڑی دیر سوچ کر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا ——

"اچھا جاؤ، اجازت دیتی ہوں"۔

بندرابن نے اس سرد آہ کا مطلب سمجھ لیا۔ لیکن انہوں نے پھر کوئی بات نہیں کہی۔ چپ چاپ چرنوں کی خاک پیشانی پر لگا کر وہ کوٹھڑی سے باہر نکل آئے۔

اتنے میں پاٹھشالہ کے ایک لڑکے نے آ کر اُن کے ہاتھ میں ایک چٹھی دے کر کہا "پنڈت جی یہ آپ کی چٹھی ہے"۔

ماں نے اندر سے پوچھا "بندرابن! کس کی چٹھی ہے؟"

"معلوم نہیں۔ دیکھتا ہوں ماں"۔

یہ کہہ کر بندرابن حیران ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ کھول کر دیکھا، کسی عورت کے ہاتھ کی صاف اور خوبصورت تحریر تھی۔ نہ کہیں کانٹ چھانٹ تھی نہ جملوں کی کوئی غلطی۔ اوپر "شری چرن کملیش" لکھا ہوا تھا۔ لیکن نیچے دستخط نہیں تھے۔ پہلے کبھی کُسم کی تحریر دیکھی نہ تھی۔ پھر بھی فوراً سمجھ لیا کہ یہ اُسی کی چٹھی ہے۔

اُس نے لکھا ہے ——— "میرے بھائی کو دیکھو گے تو شائد اب تم پہچان بھی نہ سکو گے۔ کیوں؟ یہ کسی دوسرے سے نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں تک کہ تم سے کہتے ہوئے بھی شرم سے گڑی جاتی ہوں۔ آج وہ پھر سسرال گئے ہیں۔ شائد کل واپس آئینگے۔ ممکن ہے کل بھی نہ آئیں۔ کیونکہ وہ کہہ گئے ہیں کہ یہاں شیر یا بھیڑیئے نہیں بیٹھے جو مجھے اکیلی پا کر کھا جائیں گے۔ تم میں اگر اتنا حوصلہ نہ ہو، تو میرے چرن کو ضرور دے جانا۔"

صبح بھائی سے ناراض ہو کر کُسم نے جلتے ہوئے چولہے میں پانی ڈال دیا تھا۔ اس نے اُسے نہیں جلایا۔ سارا دن بھوکی پڑی رہی۔ اُمید و بیم کے عالم میں وہ ہزار بار اندر باہر پھری۔ لیکن اب جب شام ہو گئی اور کسی کے آنے کی امید نہ رہی تو اس خیال سے اس کا خون منجمد ہونے لگا کہ اس سنسان مکان میں اسے تن تنہا ساری رات کاٹنی پڑے گی۔ اُسی وقت اُس نے سُنا کہ باہر چرن زور زور سے "ماں ماں" پکار رہا ہے۔ اُس وقت اُس کا تفکرات کے سمندر میں ڈوبا ہوا دل جیسے زمین پر پاؤں

رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دوڑی ہوئی باہر نکلی اور چمن کو گود میں لے کر، اُس کے مُنہ پر اپنا مُنہ رکھ کر اس خیال سے تسکین حاصل کرنے لگی کہ اب میں اکیلی نہیں ہوں۔

چمن نوکر کو ساتھ لایا تھا۔ رات کو کھانا وغیرہ کھانے کے بعد کُنج کی دُکان میں اُس کا انتظام کر دیا گیا بستر پر لیٹ کر، چمن کو چھاتی کے نزدیک کھینچ کر کُسُم نے کئی طرح کے سوال کئے۔ آخیر میں اُس نے پوچھا: "ہاں رے چمن، تیرے بابو جی کیا کرتے ہیں؟"

چمن جھٹ پٹ اُٹھا اور اپنے کوٹ کی جیب میں سے ایک چھوٹی سی پوٹلی نکال لایا۔ اُسے کُسُم کے ہاتھ میں دے کر بولا ——— "ماں؟ میں بھول گیا تھا۔ بابو جی نے یہ تمہیں دینے کے لئے دی ہے"۔

"کُسُم نے اُس پوٹلی کو ہاتھ میں لیتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں روپئے ہیں"۔

چمن نے کہا "بس، اسے دے کر، ہی بابو جی چلے گئے"۔

کُسُم نے بے چین ہو کر پوچھا۔ وہ کہاں سے لوٹے تھے؟

چمن نے ہاتھ اُٹھا کر بتایا ——— "وہاں سے، اُس جگہ سے"۔

"ندی کے اِس پار تک آئے تھے؟"

چمن نے سر ہلا کر کہا ——— "ہاں، آئے تو تھے"۔

کُسُم نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ خودداری کے مارے خاموش ہو کر پڑی رہی۔ اُس دن جب وہ بغیر ایک گھونٹ پانی پیئے چمن کو لے کر چلے گئے تھے اور اُس نے بھی غصّے کے مارے دوبارہ نہیں روکا

بلکہ اُوپر سے کچھ کڑی باتیں کہہ دیں تھیں۔ اُس دن سے پھر اُن کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ پہلے اِس طرف آنے جانے کے اُن کے سینکڑوں کام رہا کرتے تھے۔ لیکن اب ادھر آنے کا کوئی مقصد ہی نہیں رہا لیکن خیر اُن کا مقصد نہ رہا ہو، سب کچھ جاننے والے پرماتما تو جانتے ہیں کہ وُہ کس طرح ایک ایک کر کے اپنے دِن کاٹتی ہے۔ اور صبح سے راستہ دیکھتے دیکھتے شام کر دیتی ہے۔ راستے میں کسی آتی جاتی بیل گاڑی کی آواز سُنتے ہی اس کی رگوں میں خُون کس طرح تیزی سے دوڑنے لگتا ہے اور کتنی اُمیدوں کے ساتھ دَوڑ کر کواڑ کی اوٹ میں کھڑے ہو کر وہ کسی کی راہ دیکھنے لگتی ہے۔ وُہ بھیّا کی شادی کی رات بھی نہیں آئے اور آج بھی دروازے کے باہر سے ہی چُپ چاپ لَوٹ گئے —— پھر اسے اس دن کی بات یاد آئی جس دن گُنجھ کڑوں کی جوڑی لوٹانے گیا تھا اور اُن کے مُنہ سے سُن آیا تھا کہ بھگوان نے ان کی چیز انہی کو لوٹا کر انہیں ایک سبق دیا ہے۔

وُہ سوچنے لگی کہ اگر سچ مچ ہی ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہو تو کیا ہو گا؟ اس نے اپنی طرف سے تو چوٹ پہنچانے کی کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ بار بار ان کا اپمان کیا اور ماں کا اپمان کرنے سے بھی باز نہیں رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد بھی یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی کہ اس دن اس کی عقل اس طرح کیوں جاتی رہی تھی۔ اس کا تمام معنوی وجود اس کے اُس غُصّے پر ملامت کر رہا تھا جس کے زیرِ اثر اُس روز

وُہ اُس مقدّس رشتے کو توڑنے پر آمادہ ہوگئی تھی جسے وُہ ایک مُدّت سے دل و جان کے ساتھ تسلیم کرتی رہی تھی۔ وُہ اپنے دل کے ساتھ مباحثہ کرنے لگی "کیوں، یہ کیا میرے اپنے ہاتھ سے باندھا ہُوا سمبندھ ہے جو میرے نہیں، نہیں، کرنے سے ٹوٹ جائیگا۔ اور اگر یہ ٹوٹ سکتا ہے یا وُہ درحقیقت میرے سوامی نہیں ہیں تو پھر وُہ میرے دل کی ساری بھگتی اور پریم کے مالک کیوں بن گئے۔ صرف ایک ہی دن کی بات چیت اور معمولی سی خدمت کے عوض ان کے لئے دل میں اتنا پریم کیوں پیدا ہوگیا"۔ وُہ بار بار زور دے کر کہنے لگی "نہیں، مَیں قسم کھا کر کہہ سکتی ہُوں کہ یہ سب جھُوٹ ہے میری بدنامی کی بات کبھی سچّی نہیں ہو سکتی۔ ماں صرف اپنے ایمان کا انتقام لینے کے لئے یہ نہ مٹنے والا کلنک میرے سر مڑھ گئی ہیں"۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وُہ پھر دل ہی دل میں باتیں کرنے لگی — "ماں مر گئی ہیں۔ سچ جھُوٹ کو ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا۔ لیکن مَیں چاہے کچھ نہ کر سکوں۔ وہ خود بھی تو جانتے ہیں کہ مَیں ان کی دھرم پتنی ہُوں۔ تو پھر وہ میری یہ نامناسب ضد کیوں برداشت کرتے ہیں۔ وہ زور کرکے کیوں نہیں آتے اور میرے غرور کو پاؤں تلے روند کر زبردستی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے۔ آخر مَیں 'ہاں' یا "نہیں" کرنے والی کون ہوں اور ان کو میری نہیں تسلیم کرنے کا کیا حق ہے"؟ اچانک اس کا سارا جسم کانپ اُٹھا جس سے سوتے ہوئے

چرن کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اس نے کہا "کیا ہے ماں"؟

کُسم نے اسے کلیجے سے لگا کر آہستہ سے کہا "چرن بیٹا تو بتا زیادہ پیار کس سے کرتا ہے۔ مجھ سے یا بابو جی سے"؟

چرن نے فوراً جواب دیا "تم سے"۔

"بڑا ہو کر اپنی ماں کو کھانے کو دیگا چرن؟"

"ہاں دُونگا"۔

"جب میرے بابو جی مجھ کو نکال دینگے تو تُو آسرا دیگا"؟

"ہاں دُونگا"۔

چرن یہ تو نہیں سمجھتا تھا کہ ماں کو کس حالت میں کیا دینا ہوگا لیکن اتنا وہ ضرور جانتا تھا کہ اپنی نئی ماں کے لئے اسے سب کچھ ہی کرنا چاہیئے۔

کُسم کی آنکھوں میں آنسو آگئے جب چرن سو گیا تو اس نے آنسو پونچھ لئے اور چرن کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کہنے لگی "مجھے ڈر کس بات کا ہے۔ میں لڑکے کی ماں ہوں اگر اور کوئی نہیں تو وہ تو مجھے سہارا دیگا ہی"۔

دُوسرے دن سُورج طلوع ہونے کے تھوڑی دیر بعد جب ماں بیٹا نہا کر ندی سے گھر لوٹے تو ایک ادھیڑ عُمر کی عورت کو دالان میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وُہ کُنج ناتھ سے مختلف قسم کے سوال دریافت کر رہی تھی اور کُنج ناتھ بڑی ہی حلیمی سے سوالات کے مناسب جواب

دے رہا تھا۔

وہ کنج ناتھ کی ساس تھی۔ وہ صرف اتفاقاً اپنے داماد کا گھر بار دیکھنے نہیں آئی تھی بلکہ اس گھر کو دیکھ کر اِس بات کا فیصلہ کرنے آئی تھی کہ اپنی اکلوتی لڑکی کو کسی دن یہاں بھیجنا ٹھیک ہو گا یا نہیں ــــــ اچانک کُسم کو آتے دیکھ کر وہ حیران ہو کر اُس کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگی ــــــ شباب پانی سے بھیگے ہوئے کپڑوں میں سماتا نہیں تھا۔ جسم کا خوبصورت رنگ بھیگی دھوتی میں سے پھُوٹ پھُوٹ کر نکل رہا تھا۔ اُس کے گیلے بال پُشت پر سے ہوتے گھُٹنوں کو چھُوتے ہوئے اِس طرح لہرا رہے تھے جیسے ہزاروں سیاہ ناگنیں اکٹھی ہو کر بین پر ناچ رہی ہوں۔ بائیں طرف اُس کی کمر پر ایک بھرا ہُوا گھڑا تھا اور داہنے ہاتھ سے وہ چرن کا بایاں ہاتھ پکڑے ہوئے تھی۔ چرن کے ہاتھ میں بھی پانی سے بھرا ہُوا ایک چھوٹا سا لوٹا تھا۔ دُنیا میں ایسی منوہر مورتی شاید ہی کبھی دکھائی پڑتی ہے۔ اور جب پڑتی ہے تو حیران ہو کر دیکھتے رہ جانا ہی پڑتا ہے۔ کنج ناتھ بھی ٹکٹکی لگا کر اُس کی جانب دیکھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر کُسم کو بہت شرم آئی۔ وہ جلدی سے وہاں سے جانے لگی لیکن کُنج کی ساس بول اُٹھی: "یہی کُسم ہے شائد؟"

کُنج نے خوش ہو کر کہا ــــــ "ہاں ماں، یہ میری بہن ہے"۔

سارا آنگن گوبر سے پُتا ہُوا تھا۔ اِس لئے کُسم نے پانی کا گھڑا وہیں رکھ کر اُسے پرنام کیا۔ "ماں کی دیکھا دیکھی چرن نے بھی پرنام کیا"۔

وہ بولی "مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے اِس لڑکے کو کہیں دیکھا ہے"۔
لڑکے نے فوراً جواب دیا "میں چرن ہوں۔ میں دادی جی کے ساتھ تمہارے گھر ماموں جی کی بہو دیکھنے گیا تھا"۔

کُسم نے ہنستے ہوئے بڑی محبت سے چرن کو اپنے پاس کھینچ لیا، اور کہا ـــــ "نہیں بیٹا ایسا نہیں کہنا ہوتا۔ ایسے کہا جاتا ہے کہ میں ممانی جی کو دیکھنے گیا تھا"۔

کُنج کی ساس نے کہا ـــــ "شاید بندر راوشنو کا لڑکا ہے؟ اِس ہاتھ بھر کے لڑکے کی باتیں تو سُنو"۔

کُسم کا خوبصورت چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ اُس نے ایک بار اپنے بھائی کے مُنہ کی طرف دیکھا، اور ایک بار اُس بالکل جاہل بد زبان عورت کے مُنہ کی جانب؛ پھر وہ گھڑا اُٹھا کر اور لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر رسوئی گھر میں چلی گئی۔ اچانک یہ کیا ہو گیا!

کُنج بے سمجھ ہے، لیکن ساس کا رویہ اسے بھی ناگوار لگا خصوصاً اِس لئے کہ وُہ اپنی بہن کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس کا چہرہ دیکھ کر اُس نے اندازہ کر لیا کہ اِس وقت اُس کے دل کے جذبات کیا ہیں۔ وُہ دِل ہی دل میں بے چین ہو اُٹھا۔ اس کی ساس بھی دل ہی دل میں شرمسار ہوئی۔ اس قسم کی گفتگو کرنا مقصد اس کا بھی نہیں تھا صرف عادت سے مجبور ہو کر یہ الفاظ اس کی زبان سے نکل گئے تھے۔

رسوئی گھر میں سے کُسم نے گوکل کی بیوہ کی جانب اچھی طرح دیکھا۔

عمر ابھی پورے چالیس برس کی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی دھوتی تو سادہ تھی لیکن گلے میں سونے کا ہار، کانوں میں بالیاں اور بازوؤں میں بازو بند تھے۔ اپنی ساس سے مقابلہ کرنے پر اُسے اس کے ساتھ نفرت ہو گئی۔

وُہ کُنج سے باتیں کر رہی تھی۔ کیا باتیں تھیں، اُن کو نہ سُن سکنے پر بھی اُس نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ باتیں اسی کے متعلق ہو رہی ہیں۔

کُنج کی ساس پان اور چھالیہ کا کچھ زیادہ استعمال کرتی ہے۔ اور یہ کام صبح سے شروع ہو کر تمام دن جاری رہتا ہے۔ اشنان کے بعد اُس نے اپنے بدن پر چندن کی اچھی طرح میناکاری کی۔ (وشنوؤں میں سارے جسم پر چندن تلک کی میناکاری کرنے کا رواج ہے) پان اور آرائش وغیرہ کا تمام سامان وُہ اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ یہاں تک کہ مُنہ دیکھنے کے لئے آئینہ تک نہیں بھولی تھی۔ کُسم پُوجا پاٹھ وغیرہ سے فارغ ہو کر رسوئی کرنے بیٹھی تھی کہ وہ اس کے پاس آ بیٹھی اور اِدھر اُدھر دیکھ کر کچھ ہنس کر بولی "کیوں جی، نہ تو تمہارے گلے میں مالا ہے اور نہ تم نے تلک ہی لگایا ہے۔ تم کیسی وشنو کی لڑکی ہو بیٹی؟"

کُسم نے مختصر سا جواب دیا ——— "یہ سب میں نہیں کرتی"

"نہیں کہنے سے کیسے کام چلے گا؟ اِس حالت میں تو تمہارے ہاتھ کا کوئی پانی بھی نہ پئے گا!"

کُسم نے مُڑ کر پُوچھا "تو پھر میں آپ کے لئے رسوئی کا الگ انتظام کر دُوں؟"

"میں تو گھر کی ٹھیری، تمہارے ہاتھ کا کھا ہی لونگی۔ لیکن دوسرا کوئی تو نہ کھائیگا؟"

کُسم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اتنے میں کُنج نے آکر پوچھا ــــ "کُسم! چرن کب آیا؟"

ــــ "کل شام کو"۔

کُنج کی ساس نے کُنج کو مخاطب کر کے کہا ــــ "ابھی ابھی سُنا ہے کہ بندرابن اسے نہیں بسائیگا، لیکن لڑکے کو تو نوکر کے ساتھ بھیج دیا ہے"۔

کُنج نے حیران ہو کر پوچھا ــــ "یہ بات تم نے کہاں سُنی ماں؟"

ساس نے سنجیدگی سے کہا "میرے اور بھی چار کان ہیں اور چار آنکھیں ہیں بیٹا، جو کچھ سُنا ہے بالکل ٹھیک سُنا ہے۔ اُن لوگوں نے اتنا کہا سُنا سمجھایا، دوڑ دھوپ کی پھر بھی تمہاری بہن راضی نہ ہوئی، لوگ تو طرح طرح کی باتیں کرینگے ہی ــــ محلّے میں کئی جوان لڑکے ہیں۔ تمہاری بہن کی چڑھتی جوانی ہے، نکھرا ہوا سونے کا سا رنگ ہے۔ لوگ کہتے ہیں ــــ من اور موتی ایک ہی جیسا ہوتا ہے۔ پیر پھسلنے اور من ڈگمگانے میں کتنی دیر لگتی ہے بیٹا؟"

کُنج نے تائید کرتے ہوئے کہا ــــ "ہاں ٹھیک کہتی ہو ماں!"

کُسم نے اچانک سر اُٹھا کر اور آنکھیں چڑھا کر کہا ــــ "بھیا تم یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ اُٹھ جاؤ یہاں سے"۔

کُنج تو سہم کر وہاں سے اُٹھنے لگا لیکن اُس کی ساس نے گرم ہو کر

کہا ـــ "بھیّا سے چھپانے سے تو اَور لوگوں کی آنکھوں پر پردہ نہیں پڑ جائیگا بیٹی۔ ابھی تُم ندی سے نہاکر، سِر کے بال کھولے، بھیگی دھوتی سے گھر آئی ہو، اب تمہارے بھائی ہی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر کہیں کہ تمہیں اِس حالت میں دیکھ کر رشیوں کا دِل بھی ڈول جاتا ہے یا نہیں؟"

کُسُم نے چلّا کر کہا "تمہارے پاؤں پڑتی ہوں بھیّا۔ کھڑے کیا سُنتے ہو ــــ چلے جاؤ یہاں سے!"

اُس کا یہ چلّانا اَور چہرے کا رنگ دیکھ کر کُنج گھبرا کر بھاگا۔ کُسُم چُولھے پر سے ترکاری کی کڑاہی دھم سے نیچے پٹک کر جلدی سے رسوئی گھر سے باہر ہو گئی ÷

کُنج کی ساس کا مُنہ سیاہ پڑ گیا، وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اُس کا خیال تھا کہ مجھُ سے بڑھ کر بدزبان اَور لڑاکی دُنیا میں اَور کوئی نہیں ہے۔ اُس نے خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ بے سہارا اور غریب لڑکی اُسے اس طرح مات دے سکتی ہے ÷

آٹھواں باب

یہ تو کُسم نہ سمجھ سکی کہ کیوں ؟ لیکن اس میں اُسے ذرا بھی شک نہ رہا کہ اُس دن بھائی کی ساس لڑائی جھگڑے کا عزم ہی کر کے آئی تھی اُس کے کہنے کا صاف مطلب یہی تھا کہ بندرابن کے منظور کرنے اور لے جانے کی خواہش کے باوجود کُسم کسی خاص اور خُفیہ راز کی وجہ سے وہاں نہیں گئی —— اور وُہ پوشیدہ راز کیا ہے یہ وُہ خود تو جانتی ہی تھی، خود بندرابن نے بھی اِس وجہ سے اس کو اپنے گھر لے جانے کا خیال چھوڑ دیا ہے۔ اس اشارے نے کُسم کو آپے سے باہر کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی وُہ یہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ میرا رسوئی گھر سے اِس طرح اُٹھ کر چلا آنا مناسب نہیں ہُوا ۔

کُنج کی ساس نے تمام دن کچھ نہیں کھایا۔ اور بہت منت سماجت کے بعد کہیں رات کو کھانا کھانے پر راضی ہوئی ، اُس کی عزّت رکھنے کے لئے کُنج دِن بھر اپنی بہن کو بُرا بھلا کہتا رہا ۔ لیکن غُصّہ ختم ہو جانے پر

بھی اُس نے کُسُم کو کھانا کھانے کے لئے کہنا ضروری نہ سمجھا۔ دُوسرے دن صُبح جب کُنج کی ساس اپنے گھر جانے لگی تو کُسُم نے اُس کے پاؤں چھوئے اور اُس کے پاؤں کی خاک پیشانی پر لگا کر اُس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ لیکن کُنج کی ساس اُس سے نہیں بولی، بلکہ اپنے داماد کو اشارہ کرکے کہا "تمہیں اپنے گھر بار اور زمین جائداد کی دیکھ بھال بھی کرنی چاہیئے۔ یہاں بہن کے پاس بیٹھے رہنے سے تو کام نہیں چلے گا"۔

کُسُم کے پاس اِس کا کوئی جواب نہ تھا۔ اِس لئے وُہ چُپ چاپ سر جُھکا کر سُنتی رہی۔ ٹھیک ہی تو ہے! بھلا بھائی یہاں وہاں دونوں جگہ کا کام کیسے سنبھال سکے گا؟

اِس بات کو قریباً دو ماہ گُزر گئے۔ اِس دَوران میں کُنج کی ساس نے اُسے گویا بالکل ہی توڑ پھوڑ کر از سرِ نو گھڑ ڈالا تھا۔ اب وہ عموماً یہاں نہ رہتا اور جب رہتا بھی، تو اچھی طرح بات نہ کرتا۔ کُسُم سوچتی کہ ایسا آدمی ایک دم کیونکر بدل گیا؟ اگر وہ یہ جانتی کہ دُنیا میں اکثر یہی ہوتا ہے۔ کُنج ایسے سادہ دل اور کم عقل لوگوں کی طبیعت میں ہی اچانک انقلاب آیا کرتے ہیں تو شاید اُسے اِس قدر دُکھ نہ ہوتا۔ لیکن وُہ دُنیا کے طور طریقوں سے ناواقف تھی۔ بھائی بہن میں وہ پہلی سی محبت اب کہاں تھی۔ اب تو لڑائی جھگڑا بھی نہ ہوتا تھا۔ اس کی تو کُسُم کو نہ خواہش ہی ہوتی تھی اور نہ حوصلہ ہی پڑتا تھا۔ اُس دن گھر میں صرف ایک رات تنہا رہنے پر ہی وہ بے چین ہوگئی تھی۔ لیکن اب نہ معلوم کتنی راتیں تن تنہا گزر جاتی

تھیں۔ مصیبت میں پڑنے کی وجہ سے اُس کا ڈر اور خوف بھی جاتا رہا تھا۔ اِن سب مصائب کی بھی وہ پروا نہ کرتی تھی۔ لیکن یہ بات اُس کے دل میں ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے کانٹے کی مانند کھٹکتی رہتی کہ میں بھائی کے گلے کا پھندا بن گئی ہوں۔ وہ رہ رہ کر سوچتی کہ اگر اب میں اچانک مر بھی جاؤں تو شاید بھائی کی آنکھ سے ایک بُوند آنسو نہ نکلے۔ کُنج کی ان ظالمانہ لغزشوں اور کمزوریوں سے بددل ہو کر بارہا وُہ گھر کے کواڑ بند کر کے بیٹھ جاتی اور پہروں آنسو بہاتی رہتی۔ جب اِس کا دل بہت ہی اُداس ہو جاتا، تو وہ چرن کی باتیں سوچنے لگتی۔ صرف وہی ہر بار ماں ماں کرتا ہوا دوڑا آتا تھا اور کسی طرح بھی اُسے چھوڑنا پسند نہ کرتا تھا۔

اُسی کے ہاتھ ایک دن شرم و حجاب اور پس و پیش کو پرے پھینک کر اس نے بندرابن کو ایک چھٹّی بھیجی تھی۔ اُس چھٹّی میں جو اشارہ پنہاں تھا، بندرابن کے لئے وُہ بالکل بے اثر ثابت ہؤا۔ اور جس جواب کی کُسم منتظر تھی، وہ تو کیا آتا، سفید کاغذ پر لکھی ہوئی دو سطریں بھی موصول نہ ہوئیں۔ صرف کچھ روپے تھے جو چار و ناچار کُسم کو لینے ہی پڑے۔

کل رات کو کُنج گھر آیا تھا۔ آج صُبح ہی واپس لوٹ جانے کے لئے تیار ہو کر جب وہ باہر نکلا تو کُسم اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ان دنوں نہ تو وہ کسی چیز کے لئے بھائی سے تقاضا ہی کرتی تھی اور

نہ اسے کسی بات سے منع ہی کرنی تھی۔ آج نہ معلوم کیا بات تھی کہ اُس نے آہستہ سے کہہ دیا ـــــ "بھیا! کیا اتنی جلد چلے جاؤ گے؟ کھانا تیار ہونے میں دیر نہیں لگے گی، دو لقمے کھا کر ہی جاؤ نا"۔

کُنج نے مُنہ پھیر کر اور شکل بگاڑ کر کہا "جو سوچا تھا وہی ہُوا، مجھے چلتے وقت ٹوک دیا"۔

مجبوری اور لاچاری نے کُسم کو بہت کچھ برداشت کرنا سِکھا دیا تھا۔ لیکن اِس بے وجہ مُنہ بنانے سے اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جواب میں اُس نے اُسی طرح مُنہ تو نہ بگاڑا، لیکن بہت ہی سخت لہجے میں کہا "ڈرو نہ بھیّا، تم مرو گے نہیں۔ آج تک مَیں نے تمہیں جتنی بار ٹوکا ہے اتنے میں، اگر تم آدمی ہوتے تو کبھی کے مر گئے ہوتے!"

"مَیں آدمی نہیں ہوں؟"

بلّی کُتّے بھی نہیں ہو۔ وُہ بھی تمہاری نسبت اچھّے ہوتے ہیں۔ ایسی نمک حرامی نہیں کرتے" یہ کہہ کر وُہ جلدی سے کوٹھڑی میں چلی گئی اور بڑے زور سے کواڑ بند کر لئے۔ کُنج کچھ دیر پاگلوں کی مانند کھڑا رہ کر آہستہ آہستہ چلا گیا۔

باہر کا دروازہ ویسا ہی کُھلا پڑا رہا۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد اُسی کھُلے دروازے سے بندرابن چُپ چاپ اندر داخل ہُوا اور وہاں کا نقشہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔

کُنج کی کوٹھڑی کا دروازہ بند، کُسم کی کوٹھڑی اندر سے بند اور

باورچی خانہ کھلا پڑا ہُوا۔ اُس کے اندر جھانکتے ہی ایک کُتا کوں کوں کر کے ندامت اور معذرت کا اظہار کرتا ہُوا جلدی سے باہر نکل گیا ؛

کھانا کچھ تو بن چکا تھا اور کچھ باقی تھا۔ چولہا ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ چرن نوکر کے ساتھ پیدل آ رہا تھا۔ اِس لئے کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔ چند منٹ بعد وہ زور زور سے ماں ماں پکارتا اور پاس پڑوس کے لوگوں کو اپنی آمد کی اطلاع دیتا ہُوا اندر آ پہنچا۔ لڑکے کی اچانک آواز سُن کر کُسم دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اور اس کی اشک آلود آنکھوں کی غمناک نگاہ سب سے پہلے بندرابن کی حیرت زدہ اور بے چین نگاہوں سے دو چار ہوئی ؛

کُسم کو نہ تو اس کی اُمید ہی تھی اور نہ خیال کہ وُہ اچانک ہی آ جائینگے۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اُس نے آنچل سے مُنہ ڈھانپ لیا اور کوٹھڑی میں سے ایک آسن لا کر بچھا دیا۔ اتنے میں چرن دوڑتا ہُوا آیا اور اُس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ کُسم نے اُسے گود میں اُٹھا کر اُس کا منہ چوم لیا اور وہاں سے ہٹ کر ایک ستون کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی ؛

ماں کے مُنہ کی طرف دیکھ کر چرن نے روندھی ہوئی آواز میں کہا "بابو جی، ماں تو رو رہی ہے" ؛

بندرابن یہ سمجھ گیا تھا، پُوچھا "کیا بات ہے ؟ کس لئے بُلا بھیجا تھا ؟"

کُسم ابھی تک اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی تھی۔ اِس لئے کوئی جواب نہ

دے سکی ہو
بندرابن نے پھر پوچھا "چٹھی میں لکھا تھا کہ آکر بھیا سے ملاقات کر لینا،
وہ کہاں ہے؟"
کسم نے روندھے ہوئے گلے سے کہا —— "مر گیا!"
"ارے مر گئے؟ کیا ہوا تھا؟"
اُس کی سنجیدہ آواز میں طنز چھپا ہوا تھا۔ جو کسم کے دل میں تیر کی
مانند لگا۔ وہ اپنی موجودہ حالت کو بھول کر غصے سے جل اُٹھی اور بولی۔
"دیکھو، مذاق نہ کرو۔ میرا جسم پہلے ہی جل بھُن رہا ہے۔ اِس وقت یہ
سب اچھا نہیں لگتا۔ تمہیں بُلا بھیجا تھا! کیا اسی لئے اُس کا بدلہ اِس طرح
ادا کرنے آئے ہو؟" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ اُس کا دبی آواز میں رونا
بندرابن نے صاف سُن لیا، لیکن پھر بھی وہ متاثر نہ ہوا۔ تھوڑی دیر
بعد اُس نے پوچھا —— "مجھے کس لئے بُلا بھیجا تھا؟"
کسم نے آنسو پونچھتے ہوئے بھاری آواز سے کہا "جب تم آتے
ہی نہیں تو میں کہوں کس سے؟ پہلے تو تم اپنے کام سے کبھی اِدھر آجایا
کرتے تھے۔ لیکن اب تو بھول کر بھی اِس راہ میں پاؤں نہیں رکھتے۔"
بندرابن نے کہا —— "بھول نہیں سکتا، اِس لئے پاؤں نہیں
رکھتا۔ بھول سکتا تو شاید آتا —— خیر اِن سب باتوں کو جانے دو،
کہو کیا بات ہے؟"
"اِس طرح طعنے سُن کر کوئی اپنے دل کی بات کس طرح کہہ سکتا ہے؟"

بندرابن ہنسا اور سنجیدگی سے بولا "طعنے نہیں، سنجیدگی سے ہی پوچھتا ہوں۔ اچھا تو جس طرح کہنے میں آسانی ہو، تم اسی طرح کہو"۔

کسُم نے کہا "میں بہت دنوں سے سوچ رہی ہوں کہ تم سے ایک بات پوچھوں گی۔ بھلا، یہ بات کس نے پھیلائی کہ میں راستے میں بال بکھیرے اپنے حسن کی نمائش کرتی پھرتی ہوں؟"

یہ سوال سن کر بندرابن کچھ دیر ششدر اور حیران رہ گیا اور پھر بولا
"میں نے ——— اس کے بعد؟"

"میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ بات پھیلائی تھی اور ایسا کبھی میرے دل میں خیال بھی نہیں آیا۔ لیکن ———"

بندرابن کسُم کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی بول اٹھا "لیکن اس دن تو کہا بھی تھا اور سوچا بھی تھا۔ میں اسیر ہو کر اس دن تمہیں تنگ کرنے کے لئے ہی اپنی ماں اور بھائیوں کو لے کر تمہارے یہاں کھانا کھانے آیا تھا۔ اس دن جو گناہ مجھ سے سرزد ہوا، اب کبھی نہیں ہوگا اور گناہ کی سزا میری ماں کو دینے سے تم بھی نہیں چوکیں"۔

کسُم نے بہت ہی دکھی اور شرمسار ہو کر آہستہ سے کہا ——— "مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، میں بہت بڑے گناہ کی مرتکب ہوئی۔ اس وقت میں تمہیں پہچان نہ سکی تھی"۔

"اب پہچان لیا؟"

کسُم نے کوئی جواب نہ دیا۔ بندرابن کچھ دیر تک خاموش رہنے کے

بعد یکایک بول اُٹھا ــــ "اچھّی بات ہے۔ ابھی ایک کُتّا تمہارے رسوئی گھر میں گھُس کر سارے برتن اور کھانا خراب کر گیا ہے"۔

کُسُم نے بھی غصّے اور جوش کا اظہار نہ کرکے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "کر جانے دو، میں تو کھاؤں گی نہیں۔ پہلے معلوم ہوتا تو کھانا بھی نہ بناتی"۔

"شاید آج ایکادشی کا برت ہوگا" (بنگال میں بیوائیں ہی ایکادشی کا برت رکھتی ہیں)۔

کُسُم نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔ یہ سب کچھ میں نہیں کرتی"۔

"ایکادشی کا برت نہیں رکھتیں؟"

کُسُم اُسی طرح سر جھکائے خاموش کھڑی رہی۔

بندرابن نے شک آمیز لہجہ میں کہا۔ "پہلے تو کرتی تھیں۔ اب یکایک کیوں چھوڑ دیا؟"

بار بار کی طعنہ زنی سے کُسُم تڑپ اُٹھی۔ اُس نے کچھ شرمندہ ہو کر اور جھنجھلا کر کہا۔ "نہیں کرتی، میری مرضی ــــ کوئی جان بوجھ کر اپنے آپ کو بربادی کے مُنہ میں دھکیلنا نہیں چاہتا۔ اِس لئے ایکادشی کا برت نہیں رکھتی۔ بھیّا کا سلوک ناقابلِ برداشت ہے۔ لیکن سچ کہتی ہوں کہ تمہارے سلوک سے تو دل چاہتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈال کر مر جاؤں"۔

"نہیں، اب ایسا نہ کرنا۔ میرے سلوک پر پھر کبھی غور کر لینا، اور

اگر نہ بھی کرو گی، تو کوئی نقصان نہیں۔ لیکن کُنج کا سلوک کیوں ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے؟"

کُسم نے غصّے میں جواب دیا "بڑی لمبی داستان ہے، اُس کے سُنانے کی ہمّت مجھ میں نہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اب وُہ اپنا گھر بار چھوڑ کر میری حفاظت نہیں کر سکتا۔ اُس کی ساس کا حکم نہیں۔ مجھے کھانے اور پہننے کا خرچ دینا بھی بند کر دیا ہے۔ اگر جیون اپنی ماں کی پرورش کی ذمّہ داری اپنے کندھوں پر نہ لے لیتا تو اب سے بہت دیر پہلے ہی مَیں بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گئی ہوتی۔ اس وقت میں ———" اتنا کہہ کر وُہ رُک گئی اور سوچنے لگی کہ اَور کچھ کہنا مناسب ہے یا نہیں۔ پھر بولی "اب میری غور و پرداخت کا تمام بوجھ تمہارے کندھوں پر ہے اِس لئے یہاں ایک دن ——— ایک منٹ بھی نہیں رہنا چاہتی"۔

بندرابن نے ہنستے ہوئے پُوچھا ——— "اِسی لئے یہاں نہیں رہنا چاہتیں؟"

کُسم نے ایک بار آنکھیں اُوپر اُٹھا کر دیکھا اور پھر سر نیچے جھکا لیا ——— اِس اچانک سوال میں جو تیز طنز چھپا ہُوا تھا اِس نے اُس کے دِل کو بڑی چوٹ لگی۔

"جیون اپنی ماں کی پرورش و پرداخت کا بوجھ ضرور اُٹھائیگا۔ لیکن تم اب کہاں رہنا چاہتی ہو؟"

کُسم نے اُسی طرح سر جھکائے ہوئے جواب دیا ——— "یہ

مَیں کیسے کہوں؟ وہی جانے"۔
"وہ کون؟ ——— مَیں؟"
کُسُم چپ رہی لیکن اس کی خاموشی زبان حال سے کہہ رہی تھی ———
ہاں۔
بندرابن نے کہا ——— "یہ نہیں ہو سکتا۔ مَیں تمہاری کسی بات میں دخل نہیں دے سکتا۔ صرف ماں ہی دے سکتی ہے اُن کے ساتھ تم نے خواہ کیسا ہی نامناسب اور ناروا سلوک کیا ہو۔ پھر بھی تم چرن کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے پاس چلی جاؤ تو وہ ضرور انتظام کر دینگی ——— لیکن تمہارا بھائی؟"
کُسُم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے انہیں پلو سے پونچھتے ہوئے جواب دیا "مَیں کہہ تو چکی ہوں۔ کہ بھیا مر گیا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ دن کے وقت پیدل چل کر بھکاریوں کی مانند تمہارے گاؤں میں کس طرح جاؤں گی؟"
بندرابن نے جواب دیا "یہ تو مَیں نہیں جانتا۔ لیکن اگر تم جا سکتیں تو اچھا ہوتا۔ اِس کے علاوہ اور کوئی صاف راستہ مجھے دکھائی نہیں دیتا"۔
کُسُم نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر جواب دیا ——— "مَیں نہیں جاؤں گی"۔
"تمہاری مرضی"۔

بالکل مختصر اور صاف جواب تھا۔ اور اس میں کوئی ابہام یا رمز پنہاں نہیں تھی۔ اب واقعی کسُم ڈر گئی۔ تھوڑی دیر تک مُنہ اُٹھائے اِس بات کا انتظار کرتی رہی کہ بندرابن اور کچھ کہتا ہے یا نہیں — اس کے بعد اُس نے بڑی نرم اور روندھی ہوئی آواز میں کہا —
"لیکن اب یہاں بھی تو میرے سر چھُپانے کے لیئے کوئی جگہ نہیں — مَیں بھیّا کو بھی مُلزم گردانا نہیں چاہتی، کیونکہ جو آدمی اپنا نقصان کر کے دُوسروں کا بھلا نہ کر سکے، اُسے مُلزم نہیں گردانا جا سکتا۔ لیکن تمہیں تو مجھے اِس طرح دھتکار کر پھینکنا نہیں چاہیئے؟"
بندرابن کوئی جواب نہ دے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا —
"اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ چرن تُو ماں کے پاس رہے گا یا میرے ساتھ چلے گا؟"
"رہیگا، اچھا، تو رہو — اور اگر تمہاری مرضی ہو تو آ جانا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم چرن کا ہاتھ پکڑ کر ماں کے سامنے جا کھڑی ہوتیں تو اس میں تمہاری کوئی زیادہ بے عزّتی نہ ہوتی — خیر اب میں چلتا ہوں" یہ کہہ کر جونہی بندرابن نے قدم اُٹھایا یکایک کسُم نے چرن کو گود سے اُتار کر اور سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔
"— آج میں سمجھ گئی۔ میں نے مُنہ پھاڑ کر اپنی بپتا کی کہانی سُنائی اِس پر بھی جب تم نے کھڑے ہو کر کہا — دیر ہو رہی ہے، چلتا ہوں، جب یہ معلوم ہو جانے پر بھی کہ مَیں کتنی بدقسمت اور مصیبت زدہ

ہوں۔ تم نے امداد کا ہاتھ نہیں بڑھایا، اور آسرا دینے سے بھی پس و پیش کیا، تو اب نہ تو مجھے کچھ کہنا ہے اور نہ میری کوئی اُمید تم سے وابستہ ہے۔ پھر بھی، ایک بات پوچھتی ہوں، بتاؤ ٹھیک ٹھیک جواب دو گے؟"

بندرابن نے حیرت سے سر اُٹھا کر جواب دیا —— "دُونگا —— میں نے آسرا دینے سے پس و پیش نہیں کیا۔ بلکہ تم نے خود ہی بار بار میری امداد لینے سے انکار کیا ہے"۔

کشتم نے استقلال سے جواب دیا —— "بالکل جھوٹ۔ اُس وقت میری بدبختی سے نہ معلوم کیوں میری عقل کھو گئی تھی کہ میں ماں کے دل کو زخمی کرنے کے گناہ کی مرتکب ہوئی۔ ایشور جانتا ہے کہ اُس کا افسوس میرے دل سے مرنے پر بھی کم نہ ہو گا۔ اِسی لئے آج میں ساس، خاوند، بیٹا اور گھر بار سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کسی دُوسرے کے ٹکڑوں پر پل رہی ہوں۔ میں ابلہ ہوں۔ آج تک سسرال کا مُنہ نہ دیکھ سکی۔ میرا گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، پھر بھی میں اُس گھر کی بہو ہوں۔ تم مجھ سے کیسے کہہ رہے ہو کہ میں بھکاریوں کی مانند دن کے وقت لوگوں کے سامنے پیدل چل کر وہاں جاؤں؟ تمہیں اور کوئی صحیح راستہ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیوں سمجھ میں نہیں آیا؟ شاید اِس لئے، کہ ہم لوگ بہت غریب ہیں، ہماری ماں نے بھیک مانگ کر ہم دونوں بہن بھائیوں کی پرورش کی اور میرا

بھائی معمولی محنت مزدوری کرکے گھر کا گذارہ کرتا رہا۔ اِس لئے تُم نے بھی سوچا کہ اگر بھکاریوں کی لڑکی بھکاریوں ہی کی مانند پیدل وہاں جائے تو اِس میں کون سی بڑی بات ہے۔ لیکن یہ صرف تمہاری بھاری غلطی ہی نہیں بلکہ ناقابل برداشت توہین بھی ہے۔ مَیں یہیں رہ کر بھوکی مرجاؤنگی لیکن تمہارے سامنے ہاتھ پھیلا کر تمہاری ہنسی مذاق کا نشانہ نہیں بنوں گی"۔

بندرابن حیران ہو کر تھوڑی دیر کھڑا سُنتا رہا اور پھر بولا ——
"جاتا ہُوں —— اور تو کچھ نہیں کہنا؟"

کُسم نے بھی اُسی طرح جواب دیا —— "جاؤ، لیکن ذرا ٹھہرو۔ ایک بات اور ہے۔ مہربانی کرکے جھوٹ نہ بولنا۔ کیا میرے چال چلن کے متعلق تمہارے دل میں شک پیدا ہُوا ہے۔ اگر ہُوا ہو تو مَیں تمہارے سامنے کھڑی ہو کر قسم کھاتی ہوں کہ ——"

بندرابن چند قدم آگے بڑھ گیا تھا، رُک کر کھڑا ہو گیا اور حیران ہو کر درمیان ہی میں بول اُٹھا —— "یہ کیا، فضول قسم کھاتی ہو؟ مَیں نے تمہارے متعلق کچھ بھی نہیں سُنا"۔ پھر اُس کے نیم وا مُنہ کی طرف دیکھ کر نرم لیکن استقلال کے لہجہ میں بولا "اِس کے علاوہ کسی کے چال چلن یا طرزِ عمل پر نگاہ رکھنا میری فطرت نہیں، اور یہ مناسب بھی نہیں سمجھتا۔ تمہارے طرزِ عمل اور کردار کے متعلق مجھے کوئی تردد نہیں اور نہ مَیں اُس کے متعلق کوئی تذکرہ ہی کرنا چاہتا ہوں۔ میری

نگاہوں میں سب نیک اور پاک ہیں، تمہیں بھی بُرا نہیں سمجھتا۔" یہ کہہ کر بندرابن آہستہ آہستہ چلتا ہُوا باہر نکل گیا۔

کُسُم حیرت کے مارے پتھر کے بُت کی طرح خاموش کھڑی رہی۔

چھرن نے پُوچھا ——— "ماں ندی پر نہانے نہیں چلوگی؟"

کُسُم نے کوئی جواب نہ دیا ——— وہ اُسے لے کر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی اپنی کوٹھڑی میں جا کر چارپائی پر لیٹ گئی اور چھرن کو خُوب زور سے سینے کے ساتھ لگا کر پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

نواں باب

بہت دِن گزر گئے۔ ماگھ کا مہینہ ختم ہو کر پھاگن بھی آ پہنچا۔ چرن اُس وقت کا گیا ہوُا پھر لوٹ کر نہیں آیا۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اُسے وہاں آنے سے زبردستی روکا گیا۔ یعنی وُہ لوگ اب اس سے کسی طرح کا تعلق رکھنا مناسب نہیں سمجھتے۔ پھر کوئی خط بھی تو نہیں آیا۔ اِس لئے اب اُس نے بھی اِس بات کی قسم کھالی ہے۔ کہ وُہ بھی چٹھی لکھ کر اپنی تحقیر نہ کرائے گی۔ بھائی کا سلوک اب بھی ویسا ہی تھا۔ سب طرف سے گویا اُس پر رنج و غم اَور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ اِس دَوران میں اُس نے لوگوں کے سامنے باہر نکلنا اَور سکھی سہیلیوں سے ملنا جلنا بھی بالکل بند کر دیا تھا علی الصبح ہی وُہ ندی پر جا کر نہا کر پانی بھر لاتی اَور بازار کے دِن گوپال کی ماں بازار سے سب سامان لا دیتی۔ اِس طرح اپنے آپ کو دُنیا سے الگ تھلگ کر لینے سے اُس کی مصیبت اَور سیاہ بختی کے

لمبے دن واقعی بڑی تکلیف سے گزرنے لگے۔

کُسم سُوئی کا کام بہت کر سکتی تھی۔ جو کوئی اُسے جتنی مزدوری دیتا چُپ چاپ وہی لے لیتی۔ اور اگر کوئی اُسے مزدوری دینا بھُول جاتا تو وُہ بھی بھُول جاتی۔ انہی صفاتِ حسنہ کی وجہ سے پاس پڑوس کے گھروں کی چادریں، تکیوں کے غلاف، مسہریاں وغیرہ زیادہ تر وہی سیلتی تھی۔ آج بعد دوپہر جب وہ آنگن میں چٹائی بچھا کر ایک نامکمل مسہری کی تکمیل کرنے بیٹھی تو اُس کے ہاتھ کی سُوئی رُک گئی۔ وہ اُسی پہلے دِن کے واقع کو یاد کر کے اِس حادثہ پر دِل ہی دِل میں غور کرنے لگی۔ جس دِن بندرابن بال بچوں اور ماں کو ساتھ لے کر اُس کے بھگوڑے بھائی کی دعوت کھانے آئے تھے اور بڑی مشکل میں گرفتار ہو کر شرم و حیا کو چھوڑ کر اُسے بیوی کی حیثیت میں پہلی دفعہ اپنے خاوند سے گفتگو کرنی پڑی تھی۔ اُس دن کی باتیں ایک ایک کر کے سینما کی متحرک تصاویر کی مانند اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگیں۔ جس وقت مصائب اُس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتے تھے ——

تو اُس وقت وہ سب کام چھوڑ کر اِسی مسرّت انگیز یاد کو لے بیٹھتی تھی۔ جس طرح ماں اپنے اکلوتے نونہال کو گود میں لے کر طرح طرح سے جھُولا جھُلا کر لاڈ پیار کرتی ہے، اُسی طرح وُہ بھی اپنے سُکھ کی اِس واحد یاد کو ناقابلِ بیان محبّت کے اپنے دل میں جگہ دیئے ہوئے تھی اور اس کی بدولت طرح طرح سے اپنے بے چین دل کو تسکین دینے

کی کوشش کیا کرتی تھی۔ اُس وقت گویا اُس کا تمام دُکھ دُور ہو جاتا۔ اُس دِن دونوں کے باہمی سوال و جواب، سب سے چوری کھانے کا انتظام اور کھانا تیار کر کے اور تھالیوں میں رکھ کر دیتی اور دیوروں کو کھلانا، ساس کی خدمت، اور پھر سب سے آخر میں شام کے وقت آپ خود ہی باقی ماندہ جھوٹا اور ٹھنڈا کھانا کھانا، یہ سب باتیں آج بھی حسب معمول کُسم کو یاد آگئیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے عورت کا جنم لے کر اس سے زیادہ سُکھ کی بات نہ تو وہ سوچ ہی سکتی تھی اور نہ اُس کی ایسی خواہش ہی ہوتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ جو عورت ہر روز یہ کام کرتی ہے، اُس کے لئے اِس دُنیا میں اِس سے بڑھ کر اور کون سا سُکھ ہے؟

اِس کے بعد اُس کو آخری دِن کی بات یاد آئی جس دن وہ اُس سے سب تعلّقات توڑ کر چلے گئے تھے۔ اُس دِن اُس نے بھی انہیں نہیں منایا، بلکہ تعلّق توڑنے میں مدد ہی دی۔ لیکن اُس وقت اُسے چرن کا خیال نہیں آیا تھا۔ غرور کی وجہ سے اُس وقت اُس کے دل میں یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ اُس کے ساتھ ہی چرن بھی مجھ سے بچھڑ کر دُور ہو جائیگا۔ اب جُوں جُوں دِن گزرتے جاتے تھے یہ خوف اُس کے خون کو خُشک کر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ چرن پھر یہاں آنے ہی نہ پائے۔ اگر واقعی وہ نہ آیا، تو میں اُس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی؟ اور سب سے بڑھ کر افسوس کی بات یہ تھی کہ پہلے

اس کے دل میں پرانی باتوں کے متعلق جو شک و شبہات تھے وہ اِس مصیبت کے وقت بالکل ختم ہو گئے تھے۔ اس کے من کا سویا ہوا اعتماد اب بیدار ہو گیا تھا۔ اور اس کے کان میں کہا کرتا تھا کہ یہ سب جھوٹ ہے، مایا ہے۔ اس کے بچپن کی بدنامی کا دھبہ، سب فرضی ہے کچھ بھی سچ نہیں۔ وہ ہندو لڑکی ہے، اِس لیئے کوئی گناہ اور بے انصافی کسی طرح بھی اُس کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کسی غیر کی سیوا کرنے کے لئے اُس کا دل اتنا بے چین کبھی نہیں ہو سکتا۔ جان بوجھ کر ہو یا لاعلمی میں بہر حال ایک ہندو خاندان کی لڑکی اپنے پتی کے علاوہ کسی اور سے اتنی محبت کبھی نہیں کر سکتی۔ اگر وہ میرے پتی نہ ہوتے تو بھگوان یقیناً مجھے صحیح راہ دکھا دیتے۔ میرے دل کے کونے میں تھوڑی بہت شرم کا جذبہ پیدا کر دیتے ۔

آج بازار کا دن تھا۔ گوپال کی ماں بہت دیر سے بازار گئی ہوئی تھی۔ اب آتی ہی ہو گی۔ اس لئے باہر کا دروازہ کھلا پڑا تھا۔ اتنے میں بابو کنج ناتھ نوکر کو ساتھ لئے بوٹ پہنے کھڑ بڑ کھڑ بڑ کی آواز سے پاس پڑوس کے لوگوں میں وقار اور رعب پیدا کرتے گھر میں داخل ہوئے۔ کسم نے سمجھ تو لیا۔ لیکن شرم کے مارے آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھیں وہ اُوپر نہ اُٹھا سکی ۔

کنج ناتھ سیدھا بہن کے پاس پہنچ کر بولا ۔۔۔ "تمہارا بندر راین اب اور شادی کرنے لگا ہے !"

کُسم کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی اور وہ پتھر کے بُت کی مانند خاموش بیٹھی رہی ٭

کُنج نے اپنی آواز کو ذرا اور بلند کر کے کہا "اب میں بھی دیکھوں گا کہ مگر مچھ کے ساتھ عداوت بڑھا کر وہ کس طرح پانی میں رہتا ہے اور میں یہ بھی دیکھوں گا کہ نند وشنو کتنے بڑے باپ کا بیٹا ہے جو ہماری ہی زمینداری میں رہ کر ہماری ہی تحقیر کرتا ہے!"

کُسم کو ان باتوں کا کچھ بھی مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ اُس نے بڑی حیرت سے پوچھا "نند وشنو کون ہے؟"

کُنج نے جواب دیا "ہماری رعایا۔ ہمارے تالاب کے کنارے مکان بنا رہا ہے۔ میں اُس کے گھر میں آگ لگوا دونگا اسی سالے کی لڑکی ہے۔ اسی پھاگن میں شادی ہوگی۔ سب فیصلہ ہو گیا ہے۔ بھوتا، ذرا حُقّہ تو بھر لا!"

کُسم نے ابھی تک آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اِس لئے وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ نوکر بھی ساتھ آیا ہے۔ وہ شرما کر بیٹھی رہی ٭

کُنج نے پُوچھا "کیوں رے بھوتا! نند کی لڑکی کیسی ہے؟"

بھوتا نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا "اچھی ہے!"

کُنج نے تڑپ کر کہا "اچھی ہے؟ ہرگز نہیں۔ دیکھنے میں ہماری بہن کی طرح ہے؟ دھت! تُو نے کبھی ایسا حُسن اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

بھوتا کے جواب دینے سے پہلے ہی کُسم وہاں سے اُٹھ کر اندر چلی گئی۔
تھوڑی دیر بعد کُنج نے حقّہ پیتے پیتے کُسم کی کوٹھڑی کے پاس آ کر کہا ــــ "کیوں، مَیں نے پہلے ہی کہا تھا کہ بندرابن ویراگی کے برابر نمک حرام اَور بد ذات اَور کوئی نہیں۔ کیوں، میری بات ٹھیک ہوئی نا؟ ماں کہتی ہے کہ وید جھُوٹا ہو سکتا ہے، لیکن میرے کُنج ناتھ کی بات کبھی جھُوٹی نہیں ہو سکتی۔ کیوں بھوتا؟ ماں کہا کرتی ہے نا؟"
کُسم نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن اندر سے ایک طرح کی مبہم سی آواز سُنائی دی۔ نہ معلوم کیا سوچ کر کُنج حقّہ رکھ کر دروازہ کھول کر کوٹھڑی کے اندر جا کھڑا ہوا۔
کُسم چارپائی پر اوندھے مُنہ پڑی تھی۔ کُنج ناتھ تھوڑی دیر اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ آج بہت دنوں کے بعد اچانک اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انہیں ہاتھ سے پونچھ کر وُہ آہستہ آہستہ چارپائی کے ایک کونے پر جا بیٹھا اور اپنی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے بولا "کُسم! تم کسی طرح کی فکر نہ کرو۔ خواہ کچھ ہو جائے، مَیں یہ شادی کبھی نہ ہونے دُونگا۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارا بھیّا جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ کرتا بھی ہے یا نہیں۔ لیکن بہن تم بھی تو سُسرال جانے پر کسی طرح رضامند نہ ہوئیں۔ ہم لوگوں نے کتنی کوشش کی، تمہیں کتنا سمجھایا۔ لیکن تم نے کسی کی بات پر دھیان ہی نہ دیا۔" آخری الفاظ کہتے کہتے کُنج کا گلا بھر آیا۔

اب کُسّم اپنے آپ کو روک نہ سکی۔ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ بہت دیر سے اُس کی یہ اُمید ٹوٹ چکی تھی کہ بھائی کے دل میں بھی میرے لئے ذرہ بھر محبّت موجود ہے ٭

کُنج کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے اَور وُہ چُپ چاپ بہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے تسکین دینے لگا۔

شام ہوگئی۔ کُنج نے پھر ایک دفعہ کوٹ کی آستین سے آنسو صاف کر کے کہا ــــــ "بہن گھبراؤ نہیں۔ مَیں کہے دیتا ہوں کہ یہ شادی کسی طرح بھی نہ ہونے دُونگا" ٭

اب کُسّم بولی۔ اُس نے روتے ہوئے کہا "نہیں بھیّا، تُم اِس میں روکاوٹ نہ ڈالنا" ٭

کُنج نے حیرت زدہ ہو کر پُوچھا ــــ "کیا کہا؟ مَیں مخالفت نہ کروں؟ ہم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے شادی ہو اَور ہم خاموش کھڑے تماشا دیکھتے رہیں؟ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

کُسّم نے جواب دیا ــــ "نہیں بھیّا، تم اس میں رُکاوٹ نہ ڈالنا"۔

کُنج نے بگڑ کر کہا ــــ "روکاوٹ نہ ڈالنا؟ ــــــ ضرور ڈالوں گا۔ اِس میں تیری بے عزّتی نہ ہو تو نہ سہی، لیکن میری بے عزّتی تو ہے۔ یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا ــــ وہ ہماری رعایا ہے۔ تم کہتی کیا ہو؟ لوگ سُنیں گے تو ہم پر تھُوکیں گے نہیں؟"

کُسّم تکئیے میں مُنہ چھپا کر اَور بار بار سر ہلا کر کہنے لگی ــــ "بھیّا!

مَیں تمہیں منع کرتی ہوں۔ تُم اِس کی مخالفت نہ کرو۔ ہم لوگوں کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ لڑائی جھگڑا کرکے بدنامی کے داغ کو اَور نہ بڑھانا۔ بیاہ ہوتا ہے تو ہُوا کرے"۔

کُنج نے غصّے میں بھر کر جواب دیا۔۔۔۔۔"نہیں"۔

"نہیں کیوں؟ مجھے چھوڑ کر پہلے بھی تو اُس نے ایک شادی کر لی تھی۔ اب ایک اَور کر لے۔ ہم لوگوں کے لئے دونوں ہی برابر ہیں۔ بھیّا! مَیں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں، بے فائدہ مخالفت کرکے اَور جھگڑا بڑھا کر میری توہین نہ کراؤ۔ مجھے جس بات میں سُکھ ہے وہی ٹھیک ہے"۔

کُنج پہلے تو خاموش بیٹھا رہا، پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا۔۔۔۔۔

"تُجھے تو مَیں ہمیشہ سے جانتا ہوں۔ ایک دفعہ مُنہ سے جو نکل گیا، پھر کس کے باپ کی مجال ہے جو تجھ سے ہاں کہلوا سکے۔ تو کسی کی بھی بات نہ مانے گی۔ تیری ہی بات سب کو ماننی پڑے گی"۔

کُسم خاموش رہی۔

کُنج ناتھ نے پھر کہا۔۔۔۔۔"اَور ویسے تمہاری بات غلط بھی نہیں، جب تُم کسی طرح سُسرال جاؤگی ہی نہیں تو اُن کا گھر کیسے چلے گا؟ ابھی تو خیر بندرابن کی ماں ہے لیکن وہ ہمیشہ تو بیٹھی نہیں رہے گی"۔

کُسم نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کُنج اچانک بول اُٹھا۔۔۔۔۔

"اچھّا کُسم، وُہ شادی کریں یا نہ کریں، لیکن یہ تو بتاؤ کہ اتنا روئی

کیوں ہو؟"

بھلا کُسم کے پاس اِس کا کیا جواب تھا۔

تاریکی کی وجہ سے کُنج یہ نہ دیکھ سکا، کہ کُسم کے آنسو جو کم ہو گئے تھے، اِس سوال کے بعد پھر بڑے زور سے بہنے لگے۔

کُنج کے چلے جانے کے بعد اُس دِن کی باتیں یاد کر کے شرم اور افسوس کی وجہ سے کُسم دل ہی دل میں ندامت محسوس کرنے لگی "چھی! مر جانے کے بعد بھی تو اِس ندامت سے چھٹکارے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اِسی لئے تو مجھے امداد دینا اُن کے بس کی بات نہ تھی، حالانکہ میں نے کتنی خوشامد کی تھی۔ ادھر جب دُوسری شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اُسوقت مَیں نے بڑے فخر سے اپنے آپ کو اُن کے گھر کی بہُو بتایا تھا، جن کے دل میں میرے لئے ذرّہ بھر بھی محبّت اَور احترام نہیں تھا۔ ان پر مَیں نے اتنا بڑا غرُور کیا تھا۔ ایشور! اِس ناقابل برداشت مصیبت میں تم نے اس رُوحانی ندامت کا اضافہ کیوں کر دیا؟"

اُس نے ایک سرد آہ کھینچی "اوہ! اب سمجھی، اِسی لئے انہیں میرے عادات اَور کریکٹر کے لئے ذرا بھر بھی فکر نہیں۔ اَور اس کے باوجود میں بے حیا قسم کھانے لگی تھی"۔

دسواں باب

بندرابن ایسی فطرت کا آدمی تھا جو کسی بھی حالت سے متاثر ہو کر ناراض ہونا یا گھبرا جانا باعثِ شرم سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہزار بار ناراض ہونے پر بھی اپنے آپ کو سنبھال سکتے ہیں، اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اپنے مخالف سے گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کر کے لوگوں کو تماشہ نہیں دکھاتے۔ لیکن اس کے باوجود کُسم کے بار بار کے ناروا سلوک اور جھوٹے الزامات سے گرم اور ناراض ہو کر وہ کئی فضول باتیں کہہ آیا تھا، جس کے لئے بعد میں اسے شدید ذہنی کوفت محسوس ہوئی۔ اسی لئے دُوسرے دن چرن کو بلانے کے بہانے اُس نے نوکرانی او نوکر کے ساتھ صبح ہی گاڑی بھیج دی۔ اس امید میں کہ شاید سمجھدار کُسم یہ اشارہ سمجھ جائے گی اور چرن کے ساتھ خود بھی چلی آئیگی۔ اگر وہ واقعی آ جائے، تو پھر کیا صُورتِ حال درپیش ہو گی اور اس کی رہائش کا کیا انتظام ہو گا۔ اِس مشکل سوال کو اُس نے اِس طرح حل کر لیا، کہ اگر وُہ آ گئی تو گھر میں ماں خود ہی سب ٹھیک

کر لے گی ؞

اپنی ماں کی عقلمندی اور ہشیاری پر اُسے پُورا اعتماد تھا۔ خواہ کتنی ہی مُشکل کیوں نہ آپڑے، ماں کسی نہ کسی طرح کوئی راہ نکال لے گی۔ اور وہی کام کرے گی، جس میں سب طرح سے بھلائی ہو۔ اِسی اعتماد پر اُس نے ماں سے بغیر پُوچھے ہی گاڑی بھیج دی تھی۔ اُمید، مسرّت، شرم اور یاس کے ملے جُلے جذبات سے بے چین ہو کر وہ راہ دیکھ رہا تھا۔ اور دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ کم از کم ماں سے معافی مانگنے وُہ ضرور آئیگی ؞

دوپہر کو گاڑی اکیلے چترن کو لے کر واپس آئی۔ بندرابن چنڈی منڈپ کے اندر ہی سے چترن کو تنہا دیکھ کر خاموش ہو رہا۔ اِدھر چند دنوں سے بندرابن کی پاٹھشالہ میں پہلے کی مانند باقاعدگی نہیں رہی تھی۔ پنڈت جی کی بے دلی اور بے پروائی کی وجہ سے بہت سے طالب علموں نے پاٹھشالہ میں آنا چھوڑ دیا تھا۔ اور جو آتے بھی تھے اُن کا تمام دِن تالاب پر تختی صاف کرنے ہی میں گذر جاتا تھا۔ ٹھاکر جی کی آرتی کے بعد جو پرشاد کھانے کو بلا کرتا تھا، صرف اُسی کی باقاعدگی قائم تھی۔ طالب علم اُس وقت غیر حاضر رہ کر شائد گورنگ پربھو کے اصول کو توڑنا نہیں چاہتے تھے ؞

اِسی دوران میں بندرابن نے ایک دن اچانک ہی اپنی پاٹھشالہ کی طرف پُوری پُوری توجہ دینی شروع کر دی۔ لڑکوں کو تختی صاف

کرنے میں پہلے جو چھ گھنٹے لگا کرتے تھے، اُنہیں گھٹا کر پندرہ منٹ کر دیا اور اِس بات پر بھی اچھی طرح نظر رکھی کہ وُہ دِن بھر غائب رہنے کے بعد صرف آرتی کے وقت ہی ٹھاکر پریم سے متاثر ہو کر ٹڈی دل کی مانند مندر میں جمع نہ ہو جایا کریں۔

قریباً دس دن کے بعد ایک دن بندرابن نے دوپہر کے بعد لڑکوں کو پہاڑے پڑھانے کے لئے ایک قطار میں کھڑا کیا۔ لڑکے زور زور سے چلّا کر پہاڑے بولنے لگے۔ اتنے میں ایک شریف آدمی وہاں آ پہنچے۔ بندرابن نے فوراً اُٹھ کر انہیں بیٹھنے کے لئے آسن دیا اور اُن کے مُنہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وُہ اُنہیں پہچان نہیں سکا تھا۔

مہمان قریباً اُنہی کی عُمر کا تھا۔ وہ آسن پر بیٹھ کر ہنستا ہُوا بولا: "کیوں بھائی مجھے پہچانا نہیں؟"

بندرابن نے کچھ شرمندہ ہو کر جواب دیا —— "نہیں"۔

وہ بولا —— "مَیں جس کام کے لئے آیا ہوں وُہ پھر بتاؤنگا۔ بلموں جی نے اپنی ایک چٹھی میں آپ کی بہت تعریف کی تھی۔ اِس لئے مَیں نے سوچا کہ پردیس جانے سے پہلے ایک دفعہ آپ سے مُلاقات کر لوں۔ میرا نام کیشب ہے"۔

بندرابن نے دوڑ کر اپنے بچپن کے ساتھی کو گلے سے لگا لیا۔ وُہ اُس کے انگریزی کے اُستاد بابو دُرگا داس کا بھانجا تھا۔ اُس زمانے میں اُن کی آپس میں گہری دوستی تھی۔ بابو دُرگا داس کی بیوی کی وفات کے

بعد کیشب وہاں سے چلا گیا تھا۔ اِس کے بعد پھر کبھی اُن کی آپس میں مُلاقات نہ ہوئی۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی کسی کو بھُولا نہیں تھا اَور بندرابن کو اپنے ماسٹر صاحب سے عموماً اپنے بچپن کے دوست کی خیر و عافیت کی اطّلاع مِل جایا کرتی تھی ٭

پانچ چھ سال ہوئے کیشب ایم۔ اے پاس کر کے ایک کالج میں پروفیسر ہو گیا تھا۔ اب وُہ کسی سرکاری کام سے وِلائیت جا رہا تھا ٭

خیر و عافیت پُوچھنے کے بعد کیشب نے کہا: "جھُوٹ بولنا تو دُور رہا، میرے ماموں جی کبھی کوئی بات بڑھا کر بھی نہیں لِکھتے۔ پچھلی دفعہ انہوں نے چٹّھی میں لِکھا تھا کہ زندگی میں بہت سے شاگردوں کو پڑھایا ہے۔ لیکن یاد نہیں آتا کہ بندرابن کے علاوہ اَور بھی کوئی حقیقی معنوں میں انسان بنا ہو۔ آج تک اپنی آنکھوں سے کامِل انسان نہیں دیکھا۔ اِس لئے مَیں وطن چھوڑنے سے پہلے ایک بار مُلاقات کرنے چلا آیا ہوں" ٭

اگرچہ یہ بات ایک دوست کے مُنہ سے نکلی تھی پھر بھی بندرابن اِس قدر شرمندہ اَور حیران ہُوا کہ بہت دیر سوچنے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ اس کا کیا جواب دے۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ دُنیا میں کوئی آدمی اس کی اتنی تعریف کریگا، اَور خاص کر وُہ اِس بات سے اَور بھی حیران رہ گیا کہ یہ تعریف سب سے پہلے اُس کے قابلِ احترام اُستاد کے مُنہ سے نکل کر مشہور ہوئی تھی ٭

کیشب اُس کے دل میں پیدا ہونے والے مدوجزر کو دیکھ کر بولا ـــــ "اچھا بھائی، جانے دو۔ جس بات سے تم شرما رہے ہو، اُسے اب میں نہیں کہوں گا۔ یہ تو صرف ماموں جی کا خیال تمہیں بتایا ہے۔ اب کام کی بات کہتا ہوں۔ تم نے پاٹھشالہ کیوں کھولی ہے؟ سُنا ہے کہ لڑکوں سے فیس بھی بالکل نہیں لیتے ہو اور لڑکوں کی کتابوں، کاپیوں اور کپڑوں کا انتظام بھی تم اپنے ہی پاس سے کرتے ہو؟ اِن سب کے لئے تو میں بھی تیار تھا، لیکن لڑکے اکٹھے کرنے میں ناکام رہا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اتنے لڑکے تم نے کیسے اکٹھے کر لئے؟"

بندرابن اُس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اِس لئے خاموش اُس کے مُنہ کی طرف دیکھتا رہا۔

کیشب ہنستے ہوئے بولا ـــــ "اچھا لو، اب میں صاف صاف کہتا ہوں۔ تاکہ تم اچھی طرح سمجھ سکو۔ اب سب لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ مُلک میں اگر کوئی کام سب سے ضروری ہے، تو وُہ یہ ہے کہ دیہات کے غریب اور ناتعلیم یافتہ کسانوں کے بچّوں کو تعلیم دی جائے۔ تعلیم دینے کے علاوہ خواہ ہم اور کتنے ہی کام کریں، وہ سب فضول ہیں۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے کہ بچّوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو، پھر وہ اپنی فکر آپ کریں گے۔ انجن اُسی وقت چلتا ہے، جب اُس میں بھاپ ہوتی ہے، ورنہ اتنی بڑی چیز کو چند آدمی صرف اپنی جسمانی طاقت سے ایک انچ بھی نہیں دھکیل سکتے۔ یہ تو خیر تم سب جانتے ہی ہو، ورنہ اپنی جیب سے

پیسہ خرچ کر کے یہ پاٹھشالہ نہ کھولتے۔ مَیں نے اِسی لئے شادی تک بھی نہیں کی۔ تمہاری مانند ہمارے گاؤں میں بھی کوئی پاٹھشالہ نہیں، اِسی لئے پہلے ایک پاٹھشالہ کھول کر اُسی کو بعد میں سکول بنانے کا خیال تھا۔ لیکن وُہ پاٹھشالہ کامیاب نہ ہوئی۔ لڑکے آئے ہی نہیں۔ ہمارے گاؤں کے چھوٹی جاتی کے لوگ ایسے شیطان ہیں کہ وُہ کسی طرح بھی اپنے لڑکوں کو پڑھانے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ مَیں اپنی عزّت، آبرو کو چھوڑ کر کئی دنوں تک اُن لوگوں کے گھر گھر گھُوم کر تھک گیا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا"۔

بندرابن کا مُنہ سُرخ ہو گیا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "چھوٹی جاتی کے لوگوں کی تقدیر اچھی تھی کہ انہوں نے بڑے آدمیوں کی پاٹھشالہ میں اپنے لڑکے نہیں بھیجے۔ لیکن تمہارا بھی بھائی، ہم جیسے چھوٹے آدمیوں کے گھر گھر گھُوم کر اپنی عزّت، آبرو کھونا ٹھیک نہیں تھا"۔

بندرابن کی بات میں جو طنز کا تیر پنہاں تھا وہ کیشب کے دل میں لگا اور وُہ گھبرا کر بولا ——— "نہیں بھائی، نہیں تم کو ——— تم لوگوں کی بات تھوڑی ہی ہے۔ رام رام! میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا۔ تم جانتے ہو"۔

بندرابن ہنس پڑا۔ بولا ——— "یہ مَیں خُوب جانتا ہوں کہ تم نے مجھے نہیں کہا۔ تم نے میرے دُوسرے جاتی بھائیوں کو کہا ہے۔ ہم سب جولاہے، لوہار، گوالے، کسان ——— کرگھا چلاتے، ہل جوتتے، مویشی

چراتے اور کھیتی باڑی کرتے ہیں قیمتی کپڑے نہیں پہنتے، سرکاری دفتروں میں نہیں جا سکتے۔ اِسی لئے آپ لوگ ہمیں چھوٹے آدمی کہتے ہیں۔ کسی اچھّے کام کے لئے ہمارے گھروں میں آنے سے آپ جیسے تعلیم یافتہ، اور اُونچی جاتی کے لوگوں کی عزّت آبرو میں فرق پڑتا ہے"۔

کیشب نے سر جُھکا کر کہا ——— "بھائی بندرابن! مَیں سچ کہتا ہوں، کہ مَیں نے تمہیں کِسانوں اور گوالوں سے بالکل الگ سمجھ کر ہی یہ بات کہی تھی۔ اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی کہ تم اپنے آپ کو بھی انہی لوگوں میں شامِل کر کے ناراض ہو جاؤ گے، تو مَیں کبھی یہ بات مُنہ سے نہ نکالتا"۔

بندرابن نے جواب دیا "یہ بھی مَیں جانتا ہوں۔ لیکن تمہارے الگ سمجھنے ہی سے تو مَیں الگ نہیں ہو سکتا۔ بھائی میری سات پُشتیں اِس مُلک کے محنت پیشہ چھوٹے لوگوں کے درمیان گُزری ہیں۔ مَیں بھی اپنے ہاتھ سے ہل جوتتا ہوں۔ کیشب! اِسی لئے تمہاری پاٹھشالہ میں لڑکے نہیں آتے، اور میری پاٹھشالہ میں آ جاتے ہیں۔ مَیں انہی لوگوں میں رہ کر بڑا ہُوا ہوں۔ اِسی لئے وُہ لوگ بغیر کشش و پنج کے میرے پاس آ جاتے ہیں۔ تمہارے پاس جانے کی اُن میں ہمّت نہیں پڑتی۔ ہم لوگ جاہِل اور غریب ہیں۔ ہم لوگ آپ لوگوں کی مانند غرُور نہیں کرتے۔ آپ لوگ ہمیں نیچ کہہ کر پکارتے ہیں اور ہم چُپ چاپ منظور کر لیتے ہیں۔ لیکن ہماری رُوح اُسے تسلیم نہیں کرتی، ہمارا ضمیر

بغاوت کرتا ہے۔ اور وہ آپ لوگوں کی دِلکش باتوں سے بھی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔"

کیشب شرمندہ ہو کر چپ چاپ سنتا رہا۔

بندرابن نے پھر کہنا شروع کیا "میں یہ جانتا ہوں کہ اِس میں ہمارا ہی نقصان ہے۔ پھر بھی آپ لوگوں کو اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہوئے ہمیں ڈر لگتا ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ہم لوگوں میں نیم حکیم اور لال بجھکڑ ہی عزت پاتے ہیں۔ جس طرح میں نے پائی ہے۔ لیکن آپ جیسے بڑے بڑے ڈاکٹروں اور پروفیسروں کی ایک نہیں چلتی۔ ہمارے دل میں بنی نوع انسان کے لئے جذبۂ محبت موجزن ہے۔ اور آپ کی اِس جھوٹی ہمدردی اور رحمدلی سے اُس کو ٹھیس پہنچتی ہے"۔

اِس دفعہ کیشب نے مخالفت کرتے ہوئے کہا "لیکن مُنہ پھیر لینا ناانصافی ہے۔ درحقیقت ہم لوگ آپ لوگوں سے نفرت نہیں کرتے۔ تمہاری ہی بھلائی کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے لئے بھی مناسب ہے کہ ہم پر اعتماد کرو۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ہم لوگ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کس کام میں تمہاری بہتری ہے اور کس میں نہیں۔ تم لوگ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہو کہ ہم سبھی باتوں میں ترقی یافتہ ہیں۔ اِس حالت میں آپ لوگوں کے لئے مناسب ہے کہ ہماری باتیں کان لگا کر سنو"۔

بندرابن نے کہا ـــــ "دیکھو کیشب، میرے دِل کے دیوتا کیوں مُنہ پھیر لیتے ہیں، یہ تو دیوتا ہی جانیں۔ اِس بات کو جانے دو۔

لیکن آپ لوگ ہماری بھلائی اپنے بھائی سمجھ کر نہیں کرتے، بلکہ اپنے غلام سمجھ کر کرتے ہیں۔ اِس لئے تم لوگوں میں روپے میں سے[1] پندرہ آنے آدمیوں کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ہمارے لڑکوں کی بھلائی ہو اور نیچ جاتی کے غریب بچّوں کی زندگی برباد کی جائے۔ آپ لوگوں کے زیرِ سایہ رہ کر اور لکھنا پڑھنا سیکھ کر ایک کسان کا لڑکا جب بابو بن جاتا ہے تو وہ اپنے جاہل باپ دادا کی پروا نہیں کرتا، عزّت نہیں کرتا۔ تعلیم کے اِس آخری انجام کا مجرم ہم آپ کو اور آپ کی تعلیم اور تربیت کو ہی گردانتے ہیں۔ کیشب، پہلے تم ہم لوگوں کے —— یعنی چھوٹی جاتی کے لوگوں کے ہمدرد بننا سیکھو، اور پھر اُس کے بعد اُن کی بھلائی کی فکر کرو اور اُن کے بچّوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے آؤ۔ پہلے اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھا دو کہ تم پڑھے لکھے بڑے آدمیوں کی علیحدہ جماعت نہیں۔ تعلیم یافتہ ہو کر بھی تم مُلک کے اَن پڑھ گنوار کسان اور مزدور بچّوں کو نیچ اور چھوٹے نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُن کی عزّت کرتے ہو اور اُن سے محبّت کرتے ہو۔ پھر کہیں ہم لوگوں کو یقین آئیگا کہ ہمارے بچّے بھی پڑھ لکھ کر ہماری بے اَدبی اور بے عزّتی نہیں کریں گے۔ ہمارا ادب، اور احترام کرینگے۔ اور جاتی کو چھوڑ کر، سماج کو چھوڑ کر، بزرگوں کے رسم و رواج اور کاروبار کو چھوڑ کر ہم سے علیحدہ ہونے کے لئے بے چین نہ ہونگے، جب تک آپ ایسا نہیں کرتے اُس وقت

---

[1] دیہاتی محاورہ ہے ۱۲

تک آپ ہزار بار پیدا ہوں، مریں اور مجرّد رہ کر اپنی زندگی برباد کریں آپ لوگوں کی پاٹھشالاؤں میں چھوٹی جاتی کے بچّے نہیں آئینگے۔ چھوٹے آدمی تعلیم یافتہ بڑے آدمیوں سے ڈرتے ہی رہیں گے وہ آپ کی عزت کرینگے، عقیدت اور احترام بھی کرینگے، لیکن اعتماد نہیں۔ اور نہ آپ کی بات سُنیں گے۔ اُن کے دل سے یہ شُبہ کبھی اور کسی طرح دُور نہ ہوگا کہ آپ لوگوں کی بہتری اور اُن لوگوں کی بہتری دونوں ایک نہیں"۔

کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد کیشب نے کہا ———

"بندرابن! معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری ہی بات درست ہے۔ لیکن میں پُوچھتا ہوں کہ اگر دونوں جماعتوں میں اعتماد کا رشتہ ہی نہ رہے، تو خواہ ہم لوگ اُن کو اپنا بنانے کی ہزارہا کوششیں کیوں نہ کریں، پھر بھی اُن کا مفید نتیجہ برآمد نہ ہوگا۔ جب تک آپ لوگ اعتماد نہ کریں گے اُس وقت تک ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے اپنے ہیں یا پرائے؟"

بندرابن نے جواب دیا "یہ تو مَیں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ آپ یہ اعتماد اپنے طرزِ عمل سے ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے تمام اعمال و افعال کو تمھارے تعلیم یافتہ لوگوں کی جماعت بُجے رسم و رواج کہہ کر چھوڑ دے، ہماری جائے قیام، ہماری فطرت، ہمارے عادات و خصائل، اور حصولِ معاش کے ذرائع اگر آپ لوگوں سے مختلف ہوں،

تو ہم لوگ کبھی بھی ماننے کے لئے تیار نہ ہونگے کہ آپ نے ہماری بھلائی کا جو کام شروع کیا ہے وہ ہمارے لئے واقعی سُود مند ثابت ہوگا! اچھّا کیشب! یگیوپوبت پہننے کے بعد تم ہون سندھیا کرتے ہو؟"

"نہیں!"

"جُوتا پہنے پانی پیتے ہو؟"

"ہاں پیتا ہوں!"

"عیسائیوں کے ہاتھ کا بنا کھانا؟"

"ہاں کھا سکتا ہوں۔ کوئی بُری بات نہیں ہے"

"تو پھر میں کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا چھوٹے آدمیوں کے بچّوں کے لئے پاٹھشالہ کھول کر تعلیم دینے کا خیال ایک دھوکا ہے، اور شائد اس سے بھی کچھ زیادہ ہے، اگر میں وہ کہدوں تو ناراض تو نہ ہوگے؟"

"ڈھٹائی؟"

"ٹھیک یہی۔ کیشب! صرف خواہش اور دلی تمنّا ہی سے دُوسروں کی بہتری یا مُلکی خدمت کا کام نہیں کیا جا سکتا۔ تم جس کا بھلا کرنا چاہتے ہو، اُس کے ساتھ رہنے کی تکلیف بھی تمہیں برداشت کرنی پڑے گی۔ اگر عقلمندی اور دھرم کرم میں تم بہت آگے بڑھ جاؤگے، تو تم اُن کی دسترس سے باہر ہو جاؤگے اور وہ تمہاری دسترس سے اور ہاں ذرا ٹھہرو! شام ہو رہی ہے کچھ پاٹھشالہ کا کام کرلوں"

"اچھّا کرو۔ میں کل صبح آؤنگا"

یہ کہہ کر کیشب جیسے ہی اُٹھ کر کھڑا ہُوا - بندرابن نے زمین بوس ہو کر اُس کے پاؤں چھوئے اور پاؤں کی دھول اُٹھا کر اپنی پیشانی پر لگائی ،
دیہات میں گھر ہونے پر بھی کیشب کی بود و باش زیادہ تر شہر ہی میں تھی - اپنے دوست کے اِس سلوک سے دل ہی دل میں اُسے بہت شرم محسوس ہوئی دونوں کے آنگن میں آتے ہی پاٹھشالہ کے لڑکوں نے زمین پر پیشانی ٹیک کر پرنام کیا ،

اپنے بچپن کے ساتھی کے ساتھ دروازے تک جا کر اُس نے آہستہ سے کہا ـــــ "دوست ہونے کے باوجود تم براہمن ہو ، اِس لئے تمہیں اپنی طرف سے بھی پرنام کرتا ہوں اور سب لڑکوں کی طرف سے بھی ، سمجھ گئے نا ؟"

کیشب نے شرما کر مُسکراتے ہوئے کہا " ہاں ، سمجھ گیا " یہ کہہ کر آہستہ آہستہ قدم رکھتا باہر نکل گیا ،

دُوسرے دن صبح ہی کیشب نے آ کر کہا ـــــ " بھائی بندرابن ! اب مجھے اِس بات میں ذرا بھی شک نہیں رہا کہ تم واقعی انسان ہو " ،

بندرابن نے ہنستے ہوئے کہا " مجھے بھی نہیں رہا ! پھر ؟ "

کیشب نے جواب دیا ـــــ " بھائی مَیں تمہیں اپدیش نہیں دیتا میرا وہ تکبّر کل ٹوٹ گیا ، اب مَیں بحیثیت ایک دوست کے مؤدبانہ پوچھتا ہوں کہ اِس گاؤں میں تو تم اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے اور اپنا وقت ضائع کر کے تعلیم دیتے ہو ، لیکن اور بھی تو سینکڑوں ہزاروں گاؤں پڑے ہیں ،

جہاں الف، ب پڑھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں۔ کیا یہ کام گورنمنٹ کو نہ کرنا چاہیئے؟"

بندرابن ہنس پڑا۔ "تمہارا سوال تو بالکل بچوں ایسا ہے۔ کسی قصور کے بدلے اگر رادھا کو مارنے جاؤ، تو وہ فوراً ہاتھ اُٹھا کر کہے گا، پنڈت جی مادھو نے بھی قصور کیا ہے۔ گویا مادھو کا قصور بتانے پر پھر رادھا کا کوئی قصور نہیں رہ جاتا۔ بھائی! پہلے ہم اپنے مُلک میں پھیلی ہوئی جہالت کو دُور کر کے اپنا فرض پُورا کر لیں، پھر دیکھیں گے کہ گورنمنٹ اپنا فرض پُورا کرتی ہے یا نہیں۔ اپنے فرض کو ادا کرنے سے پہلے دوسرے کے فرائض پر بحث کرنا گُناہ ہے۔"

"لیکن، ہماری تمہاری طاقت ہی کتنی ہے؟ اس چھوٹی سی پاٹھشالہ میں چند بچّوں کو پڑھانے سے کتنا فائدہ ہو گا؟"

بندرابن نے حیرت سے تھوڑی دیر تک اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نہیں بھائی! آپ کی یہ بات ٹھیک نہیں۔ ہماری پاٹھشالہ کا ایک طالبِ علم بھی اگر حقیقی معنوں میں انسان بن جائے تو وہ تیس کروڑ انسانوں کی اصلاح کر سکتا ہے۔ نیوٹن، فریڈے، رام موہن اور ودیا ساگر ایسے لوگوں کے گروہ پیدا نہیں ہُوا کرتے۔ آپ میرے لئے دُعا کریں کہ مَیں مرنے سے پہلے ایک بچّے کو ہی حقیقی معنوں میں انسان بنا ہُوا دیکھ پاؤں۔ ایک بات اَور بھی ہے۔ میری پاٹھشالہ میں ایک شرط بھی ہے۔ اگر کل شام آپ یہاں رہتے، تو دیکھتے کہ ہر روز گھر جانے سے پہلے ہر ایک بچہ

اِس بات کی قسم کھاتا ہے کہ میں بڑا ہو کر کم از کم ایک دو بچوں کو لکھنا پڑھنا ضرور سکھاؤنگا۔ ہمارے ہر پانچ بچوں میں سے اگر ایک بچہ بھی بڑا ہو کر اپنے بچپن کے عہد کو پورا کرے تو میں نے حساب لگا کر دیکھا ہے کہ بیس سال کے بعد اِس مُلک میں ایک بھی جاہل یا غیر تعلیم یافتہ نہ رہے گا"

کیشب نے سرد آہ بھر کر کہا۔۔۔۔ "اُف! اتنی لمبی اُمید!"

بندرابن نے جواب دیا۔۔۔۔ "ہاں، تُم یہ کہہ سکتے ہو کبھی کبھی مجھے بھی یہ سوچ کر خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرا یہ سُنہری خواب، خواب ہی ثابت نہ ہو، لیکن اُسوقت بھی روشنی کی ایک چھوٹی سی کرن دُور سے چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اور میرا یاس کی گہرائیوں میں ڈوبتا ہوا دل اُمید کی روشنی سے معمور ہو جاتا ہے۔ اگر بھگوان کی نظرِ کرم ہو تو اُمید کو پُورا ہوتے دیر ہی کتنی لگتی ہے!"

کیشب نے جواب دیا۔۔۔۔ "بندرابن! مجھے آج ہی مادرِ وطن کو چھوڑ کر یورپ جانا ہے۔ ایشور جانے، ہم لوں گی مُلاقات کب ہو۔ اگر میں چٹھی لکھوں تو جواب دوگے نا؟"

"یہ کون سی بڑی بات ہے کیشب؟"

"بڑی بات بھی کہتا ہوں، اگر کبھی دوست کی ضرورت پڑے، تو کیا مجھے یاد کروگے؟"

"ہاں، ضرور کروں گا" کہہ کر بندرابن نے کیشب کے پاؤں کی دُھول پیشانی پر لگالی۔

گیارھواں باب

بندرابن کی ماں کرشن جنم اشٹمی کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا کرتی تھی۔ وہ کل ہی ختم ہُوا تھا۔ اِس لئے تھکا ماندہ ہونے کے سبب بندرابن آج کافی دن چڑھنے کے باوجود ابھی سو کر نہیں اُٹھا تھا۔ ماں نے دروازے پر سے پکار کر کہا ۔۔۔ "بیٹا بندرابن! جلدی اُٹھ کر ذرا باہر تو آؤ"

ماں کی آواز میں گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر بندرابن فوراً بستر سے اُٹھ بیٹھا اور پُوچھا ۔۔۔ "ماں! کیا ہے؟"

ماں دروازے کے پاس آکر بولی۔ "بیٹا میں تو پہچانتی نہیں، تمہاری پاٹھشالہ کا کوئی لڑکا باہر بیٹھا زور زور سے رو رہا ہے۔ اُس کے باپ کو ہیضہ ہو گیا ہے، اور اس کی حالت خراب ہے"

بندرابن فوراً اُٹھ کر باہر آگیا ۔۔۔ "اُسے دیکھتے ہی شبتو گوالے کے لڑکے نے روتے ہوئے کہا۔ "پنڈت جی! بابو جی نہ تو آنکھیں کھولتے ہیں اور نہ کچھ بولتے ہی ہیں"

بندرابن نے محبت سے اُس کے آنسو پونچھ کر اُس کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر اُس کے گھر جا پہنچا۔ شبتو کا آخری وقت آپہنچا تھا۔ ہر سال انہی دِنوں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑتی تھی۔ اِس سال سب سے پہلے اُس کا شکار شبتو تھا۔ کل رات کو اسے ہیضہ ہُوا۔ اِس وقت تک بغیر علاج معالجہ کے وُہ بچارا دم توڑتا رہا اور بندرابن کے آنے کے کوئی ایک گھنٹہ بعد اُس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ؛

عموماً بنگال کے تمام دیہات میں کوئی نہ کوئی ایسا ڈاکٹر ضرور ہوتا ہے جو خود ہی تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بن بیٹھتا ہے۔ اِس گاؤں میں بھی گوپال نامی ایک ڈاکٹر تھا۔ کل رات اُسے بُلایا گیا تو ہیضے کا نام سنتے ہی اُس نے دو روپے نقد فیس طلب کی۔ اپنے وسیع تجربہ کی وجہ سے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اِن وبائی بیماریوں میں ادھار کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی دوا کھا کر شُودر لوگ دوسرے دِن فیس ادا کرنے کے لئے زندہ نہیں رہتے۔ شبتو کی عورت اتنی رات کو نقد روپوں کا انتظام نہ کر سکی۔ اِس لئے مجبور ہو کر اس نے اپنے خاوند کو نمکین پانی پلانے اور ساری رات اُس کے سرہانے بیٹھ کر شیتلا دیوی سے اس کی صحت کے لئے دُعائیں مانگنے پر ہی اکتفا کی۔ حتیٰ کہ اس کی بھی کوئی ضرورت نہ رہی اور کھیل ختم ہو گیا ؛

بندرابن امیر آدمی تھا۔ اِس گاؤں کے تمام لوگ اُس کی عزت کرتے تھے۔ اپنے مرحوم خاوند کی تجہیز و تکفین کے لئے شبتو کی بیوہ اُس کے

پاؤں پکڑ کر رونے لگی۔ شبتو کی جائداد تھی اُس کے ناتواں سُوکھے ہوئے ہاتھ اور دو گائیں۔ بیوہ بیچاری انہی دو گایوں میں سے ایک کو رہن رکھ کر اس مصیبت سے نجات پانا چاہتی تھی۔ لیکن بندرابن نے اس کے بغیر ہی تجہیز و تکفین کا انتظام کر دیا۔ اِس قسم کے موقعوں پر وُہ اکثر ایسے ہی کیا کرتا تھا۔ شام کو بندرابن برامدے میں چٹائی بچھا کر آنکھیں بند کئے سو رہا تھا۔ اچانک کسی کے پاؤں کی آہٹ سُن کر اُس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ مرحوم شبتو کا وہی لڑکا اُس کے پاس کھڑا ہے۔ بندرابن اُٹھ بیٹھا اور بولا۔ "آؤ بیٹھو شستی چرن!"

لڑکے کے ہونٹ دو چار دفعہ کچھ بولنے کے لئے ہلے لیکن وہ کچھ بیان نہ کر سکا اور "پنڈت جی" کہہ کر رونے لگا۔

بندرابن نے اُس یتیم بچّے کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس کھینچ لیا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔ "کشن کو بھی قے آ رہی ہے"۔

کشن اُس کا چھوٹا بھائی تھا اور وُہ بھی کبھی کبھی اپنے بڑے بھائی کے ساتھ پاٹھشالہ میں لکھنے پڑھنے آ جایا کرتا تھا۔ آج رات کو ڈاکٹر گوپال داس فیس لئے بغیر بندرابن کے ساتھ کشن کو دیکھنے کے لئے گیا۔ اُس نے نبض اور زبان دیکھ کر دوا دی، لیکن کشن نے نہ تو اپنی ماں کی گریہ زاری کا خیال کیا اور نہ ڈاکٹر کی طرف ہی دیکھا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی وُہ گوپال داس کی گرد و نواح میں پھیلی ہوئی حکمت کی شہرت کو بدنامی کا دھبہ لگا کر اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔

مُردہ بیٹے کی نعش کو گود میں لئے بیوہ ماں کی دردناک اور دلدوز آہ وزاری سُن کر بندرابن کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ اُس سے اُس کی یہ آہ وزاری برداشت نہ ہو سکی اور وہ وہاں سے بھاگ کر گھر آ گیا۔ گھر آتے ہی چرن کو اپنی چھاتی سے لگا کر رونے لگا۔ اور دِل ہی دِل میں ایشور کو یاد کر کے کہنے لگا "ہے بھگوان! انسان کو اُس کے گناہوں کی اور خواہ کوئی بھی سزا دو۔ لیکن یہ ہیبتناک سزا کبھی نہ دینا" معلوم نہیں ایشور اُس کی یہ دُعا سُنے گا یا نہیں، لیکن آج اُس نے اپنے دل میں یہ احساس ضرور کیا کہ یہ زخم اُس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اور کسی کے دل میں برداشت کی طاقت ہو تو ہو لیکن اُس کے اپنے دل میں اتنی طاقت نہیں ؛

اس کے بعد دو دِن تک کوئی حادثہ وقوع پذیر نہیں ہُوا۔ لیکن تیسرے دِن سُنا کہ اُن کے پڑوسی دسک حلوائی کی بیوی ہیضے سے جاں بلب ہے ؛

بندرابن کی ماں مزاج پُرسی کے لئے گئی تھی۔ دس بجے کے قریب وُہ آنسو پونچھتی ہوئی واپس آئی۔ قریباً ایک گھنٹہ بعد رونے پیٹنے کی آواز سُن کر معلوم ہُوا کہ دسک حلوائی کی بیوی اپنے چھوٹے چھوٹے چار پانچ بچوں کو چھوڑ کر اِس دُنیائے فانی سے کوچ کر گئی ہے۔ اب گاؤں میں ہیضے کی وبا بڑے زور سے پھیلی۔ جن لوگوں کے لئے بھاگنے کی جگہ تھی وہ بھاگ گئے۔ لیکن اکثر کے لئے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اِس لئے انہوں نے ڈرتے ڈرتے خشک مُنہ سے کہا "جب دانہ پانی ختم ہو جائیگا، تو

اِس دُنیائے بے ثبات سے کوچ کرنا ہی پڑے گا بھاگنے سے کیا ہوگا؟
بندرابن کے مکان کے سامنے سے ہی شمشان کا راستہ تھا۔ وہاں سے بار بار رام نام ست کی آواز سے معلوم ہونے لگا کہ اُن میں سے بہت سے لوگوں کا دانہ پانی واقعی ختم ہو رہا ہے ۔

اِردگرد کے دیہات سے بھی ہر روز دو چار موتوں کی خبر آنے لگی۔ لیکن باڈل کی حالت روز بروز زیادہ سے زیادہ خراب ہونے لگی۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ دیگر باتوں میں اِس گاؤں کی حالت اچھّی ہونے کے باوجود یہاں پینے کے پانی کا اچھّا انتظام نہ تھا۔ ندی کوئی نہ تھی اور جو دو چار تالاب تھے وُہ بھی کھدائی اور صفائی وغیرہ نہ کرنے اور دُوسری باتوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے خراب ہو گئے تھے، اُن کا پانی بالکل ناقص تھا۔ اور کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تھا۔ گاؤں کے باشندوں میں سے اکثر کا یہی خیال تھا کہ جب تک پانی میں پیاس مٹانے اور کھانا وغیرہ پکانے کی طاقت ہے اُسوقت تک اُس کے اچھّے یا بُرے ہونے کی طرف دھیان دینا بالکل فضول ہے ۔

سارے گاؤں میں ڈاکٹر گوپال کے علاوہ اور کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں تھا۔ اُسے غریبوں کے گھر جانے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا اور ہیضہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا تھا۔ آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ علاج معالجہ تو درکنار مُردوں کو آگ دینے والے بھی ملنے مشکل ہو گئے لیکن بندرابن کا محلّہ ابھی تک محفوظ تھا۔ دسک کی بیوی کی وفات کے

بعد ابھی تک یہ پانچ سات گھر محفوظ تھے۔ بندرابن کا باپ اپنے استعمال کے لیئے جو تالاب کھدوا گیا تھا اُس کا پانی بالکل صاف تھا۔ غالباً اُس کے پڑوسی اُسی پانی کے پینے کی وجہ سے محفوظ تھے ؛

لیکن بندرابن آہستہ آہستہ فکر سے سُوکھنے لگا۔ لڑکے کی طرف دیکھتے ہی اُس کے دل کا خُون تیزی سے حرکت کرنے لگتا۔ بار بار اُس کے دل میں یہی خیال آتا کہ باپ بیٹے کے درمیان ایک ایسی دیوار لمحہ بہ لمحہ حائل ہوتی جا رہی ہے جو اگرچہ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی لیکن ان کو ایک دوسرے سے جُدا کر سکتی ہے ؛

اُس میں اب پہلی سی وُہ جُرأت، وُہ حوصلہ اور وُہ زندہ دِلی نہ رہی تھی۔ بیماری یا مَوت کا نام سُننے ہی اُس کی رُوح لرز اُٹھتی۔ اسے کوئی بُلانے آتا تو وہ چلا تو ضرور جاتا، لیکن اُس کا ایک ایک قدم اِس طرح اُٹھتا جیسے پھانسی پر لٹکنے والے مجرم کا پھانسی کے تختہ کی جانب جاتے وقت اُٹھتا ہے۔ گویا یہ صرف اس کی دیرینہ عادت ہی تھی جو اُسے باندھ کر اور کھینچ کر وہاں لے جاتی تھی۔ کسی لاش کو جلا کر جب وہ گھر واپس آتا تو چترن کو اپنے پاس بُلاتا اور اُس کے جسم کو چھُو کر اُس کا بدن کانپ اُٹھتا۔ اُسے یہی معلوم ہوتا کہ کسی نامعلوم ذریعے سے کوئی خطرناک بیماری اُس کے اکلوتے بچے کے جسم میں داخل ہو رہی ہے۔ اُسے ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی کہ مَیں کسی نہ کسی طرح اِس بچے کو خطرے اور ہیبت ناک موت کے چنگل سے بچا سکوں ؛

پاٹھشالہ خود بخود بند ہو گئی تھی۔ چرن کے مُنہ کی جانب دیکھ کر وہ اِس دُکھ کو بھی بھول جاتا تھا۔ اب کچھ دنوں سے اُس نے چرن کے کھلانے پلانے اور کپڑے پہنانے وغیرہ کا سب کام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اِس کے متعلّق اُسے ماں کا اعتبار بھی نہ رہا تھا۔ انہی دنوں اُس نے ایک دن اپنی ماں کے مُنہ سے سُنا کہ اُن کے پڑوسی تارنی مکھوپادھیائے کے چھوٹے لڑکے کو ہیضہ ہو گیا ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی اُس کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر ماں نے کہا "بس بیٹا، اب نہیں۔ تم چرن کو لے کر باہر چلے جاؤ"۔

بندرابن کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اُس نے جواب دیا۔۔۔"ماں تم بھی چلو"۔

ماں نے حیران ہو کر جواب دیا "اپنے ٹھاکر جی کو چھوڑ کر؟"

بندرابن نے کہا "ٹھاکر جی کی پُوجا کا کام پروہت جی کے سپرد کر دیجئے"۔

ماں نے اَور بھی حیران ہو کر کہا۔۔۔"اپنے ٹھاکر جی کی سیوا کا کام دُوسروں پر چھوڑ دُوں اَور آپ بھاگ جاؤں؟"

بندرابن نے کچھ شرما کر جواب دیا "نہیں ماں، میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنا فرض اپنے ذمّے ہی رہنے دو۔ دو چار دن بعد آ کر پھر سر انجام دے لینا"۔

ماں نے سر ہلاتے ہوئے استقلال سے جواب دیا۔۔۔"نہیں

بیٹا، یہ نہیں ہو گا۔ تمہاری دادی یہ فرض میرے سپرد کر گئی تھی۔ میں بھی اگر کبھی اسی طرح کسی کے سپرد کر سکوں گی، تو کر دوں گی۔ ورنہ یہ میرے ہی ذمے رہے گا۔ لیکن تم لوگ جاؤ"۔

بندرابن نے جلدی سے جواب دیا ــــــ "بھلا میں تمہیں ایسے وقت جبکہ چاروں طرف آگ دھک رہی ہے تنہا چھوڑ کر کیونکر جا سکتا ہوں؟ مان لو کہ ــــــ"

ماں ہنسی ــــــ "بیٹا، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ پھر تو میں سمجھوں گی کہ میرا کام ختم ہو گیا اور بھگوان اپنی پوجا کا کام کسی دوسرے کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ ایشور کرے ایسا ہی ہو۔ میری دعا لے کر تم لوگ بے فکر ہو کر چلے جاؤ۔ میں اپنے ٹھاکر جی کے پاس بے فکر ہو کر رہ سکوں گی۔ ماں کے بھرائے ہوئے گلے سے نکلی ہوئی آواز سے بندرابن کی کسی دوسری جگہ بھاگ جانے کی خواہش ختم ہو گئی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اُس نے سنجیدگی سے جواب دیا ــــــ "تو پھر میں بھی کہیں نہ جاؤں گا۔ اگر تمہارا ٹھاکر جی ہے تو میری بھی ماں ہے۔ مجھے اپنی تو کوئی فکر نہیں۔ صرف چمن کو دیکھ کر ہی اس جگہ رہنے سے دل گھبراتا ہے۔ لیکن یہاں سے کسی طرح ہم جا ہی نہیں سکتے، تو آج سے میں اُسے ٹھاکر جی کی پناہ میں سونپ کر بے فکر اور بے خوف ہو کر رہوں گا۔ آج کے بعد تم کبھی میرا چہرہ مُرجھایا ہُوا نہ پاؤ گی"۔

تارنی کا چھوٹا لڑکا مر گیا۔ دوسرے دن صبح بندرابن کسی کام کیلئے

باہر جا رہا تھا۔ دیکھا کہ اُن کے تالاب کے گھاٹ پر ہی کوئی عورت کپڑے دھو رہی ہے۔ کچھ دھوئے جا چکے ہیں، اور کچھ ابھی دھونے باقی ہیں۔ اُن کپڑوں کی شکل دیکھتے ہی بندرابن کی رُوح لرز اُٹھی۔ نزدیک پہنچ کر غصّے سے بولا ــــــ "مُردے کے کپڑے یہاں کیوں دھو رہی ہو؟"

اُس عورت نے گھونگھٹ کی آڑ سے نہ معلوم کیا جواب دیا۔ اس کا ایک لفظ بھی بندرابن کی سمجھ میں نہ آیا۔

بندرابن نے پھر کہا ــــــ "جو ظُلم کر چکی ہو، اُس کا تو کوئی علاج نہیں لیکن اب باقی کپڑے یہاں نہ دھوؤ اور چلی جاؤ"۔

وہ عورت دھوئے اور بنا دھوئے کپڑے اُٹھا کر وہاں سے چلی گئی۔

بندرابن تھوڑی دیر تالاب کے پانی کی طرف خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔ اِس کے بعد جب وہ وہاں سے چلنے لگا تو اُس نے دیکھا کہ تارنی جلدی جلدی اُسی طرف آ رہا ہے۔ ایک تو وہ ویسے ہی بیٹے کے غم میں پاگل ہو رہا تھا، دوسری اُوپر سے یہ بے عزّتی ہوئی۔ اس نے اس کو بالکل ہی بدحواس کر دیا۔ وہ آتے ہی پاگلوں کی مانند مُنہ اور آنکھیں پھاڑ کر بولا ــــــ "تم نے میری بیوی کو نہانے نہیں دیا؟"

بندرابن نے جواب دیا ــــــ "نہیں یہ بات تو نہیں۔ میں نے گندے کپڑے دھونے سے ضرور منع کیا ہے"۔

تارنی نے چلّا کر کہا ــــــ "تو اُنہیں اور کہاں دھونے جائیں؟

رہیں باڈل میں اَور کپڑے دھونے جائیں وئید جاتی ہیں ؟ بندرابن! تُم برباد ہو جاؤ گے شودر ہو کر روپے کی طاقت سے براہمن کو دُکھ دوگے تو بیڑہ غرق ہو جائیگا"۔

بندرابن کا دِل دہل اُٹھا۔ لیکن فضول بحث مباحثہ کرنے کی اُس کی عادت نہ تھی۔ اِس لئے اُس نے اپنے آپ کو سنبھال کر سنجیدگی سے جواب دیا "اگر مَیں اکیلا تباہ ہو جاؤں تو کوئی پرواہ نہیں، لیکن آپ تو سارے محلّے کو برباد کر رہے ہیں۔ سارا گاؤں اُجڑا جا رہا ہے۔ صرف یہ محلّہ محفوظ ہے، کیا تم اسے بھی محفوظ نہ رہنے دوگے؟"

تارَنی نے جوش میں آ کر کہا "وہ لوگ ہمیشہ سے اِس تالاب میں کپڑے نہیں دھوتے تو کیا تمہارے سر پر دھویا کرتے ہیں بھیّا؟"

بندرابن نے استقلال سے جواب دیا "یہ تالاب میرا ہے، اگر آپ میری اِس بات کو نہ مانیں گے، تو آپ کے گھر کے کسی آدمی کو مَیں تالاب میں نہ اُترنے دُونگا"۔

"اُترنے نہ دوگے تو پھر بتاؤ، ہم کہاں جائیں گے؟"

بندرابن نے جواب دیا "یہاں سے صرف پینے اور استعمال کے لئے پانی لے جا سکو گے۔ اگر کپڑے دھونے ہوں، تو گاؤں سے باہر والے جوہڑ میں جا کر دھونے پڑیں گے"۔

تارَانی نے مُنہ بنا کر کہا "شودر ہو کر تیرا اتنا بڑا مُنہ؟ کہتا ہے کہ عورتیں باہر جا کر کپڑے دھویا کریں۔ ارے صرف ہمارے ہی گھر پڑ

مصیبت نہیں آئی، تیرے گھر پر بھی آئیگی"۔
بندرابن نے اُسی طرح سنجیدگی اور نرمی سے جواب دیا ——
"میرا مطلب عورتوں کو گاؤں سے باہر جا کر کپڑے دھونے کے لئے کہنے کا نہیں تھا۔ اگر آپ کے گھر کوئی نوکر یا نوکرانی نہیں تو آپ بھی تو مرد ہیں، آپ ہی باہر جا کر دھولایا کریں۔ آپ اِس وقت رنج اور غم سے بے چین ہو رہے ہیں، اِس لئے آپ کو مَیں کوئی سخت لفظ نہیں کہنا چاہتا۔ لیکن آپ کے لاکھوں بددُعائیں دینے کے باوجود میں آپ کو یہاں گندے کپڑے دھو کر پانی خراب نہ کرنے دُونگا" یہ کہکر بندرابن بغیر کوئی مزید بات کئے اپنے گھر چلا گیا۔
قریباً دس منٹ بعد گھوشال مہاشے نے دروازے پر آکر پکارنا شروع کیا۔ وُہ تارنی کا رشتہ دار تھا۔ بندرابن کے باہر آتے ہی بولا "بھائی بندرابن! سب لوگ تو تمہیں بڑا اچھا لڑکا سمجھتے تھے۔ پھر یہ تمہارا نیا طرزِ عمل کیسا ہے۔ ایک تو براہمن پہلے ہی بیٹے کے غم میں پاگل ہو رہا ہے، اُس پر تُم نے اُس کا تالاب پر جانا بند کر دیا!"
"صرف گندے کپڑے دھونے سے روکا ہے۔ پانی لے جانے سے نہیں"۔
گھوشال نے کہا "یہ اچھا نہیں کیا بھیّا۔ اچھا مَیں کہہ دیتا ہوں۔ وہ تمہاری بات مان لیگا اور گھاٹ کی بجائے دُور ہٹ کر دھو لیا کرے گا"۔

بندرابن نے جواب دیا "سارا گاؤں صرف اِسی تالاب کا پانی پیتا ہے۔ اِس مصیبت کے وقت میں کسی طرح بھی اِس کا پانی خراب نہ ہونے دُونگا"

گھوشال مہاشے نے ناراض ہو کر کہا —— "بندرابن! تمہاری یہ ضد ٹھیک نہیں۔ جس کوئیں یا تالاب کی ویدمنتروں اَور شاستر مریادہ پُوری کرنے کے بعد کھُدوائی ہوئی ہو، اُس کا پانی کسی طرح گندہ یا خراب نہیں ہو سکتا۔ انگریزی کے چار حرف پڑھ کر تم شاستروں پر یقین نہیں رکھتے؟ بھلا اِس طرح کیسے کام چلے گا؟"

بندرابن ایک ہی بات کو بار بار دوہرا کر تھک گیا تھا۔ غصّے میں بھر کر بولا "مَیں شاستروں میں ضرور یقین رکھتا ہوں، لیکن آپ کے ان گھڑت شاستروں کو نہیں مانتا۔ مَیں نے جو کچھ کہا ہے، وہی ہو گا۔ مَیں گندے کپڑے نہیں دھونے دُونگا۔ اگر اَور کوئی ہوتا تو مرحوم کے کپڑے اُس کے ساتھ ہی جلا دیتا۔ لیکن اگر آپ لوگ اُن کا لالچ نہیں چھوڑ سکتے، تو اُنہیں باہر والے جوہڑ میں دھولائیں۔ میرے تالاب میں آپ انہیں نہیں دھو سکتے" یہ کہہ کر بندرابن اندر چلا گیا۔

ویدوں اَور شاستروں کے ٹھیکیدار گھوشال مہاشے بھی اُسے بددُعائیں دیتے اپنے گھر چلے گئے۔

لیکن بندرابن اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ معاملہ یہیں ختم ہونے والا نہیں۔ اِس لئے اُس نے ایک آدمی تالاب پر پہرہ دینے کے لئے

بھیج دیا۔ اُس نے تمام دن کے بعد رات کو ۹ بجے آ کر خبر دی کہ تالاب میں کپڑے دھوئے جا رہے ہیں، اور تارنی کسی طرح نہیں مانتا۔ بندرابن نے فوراً وہاں پہنچ کر دیکھا کہ تارنی کی بیوہ لڑکی وہاں تکیے کے غلاف، بچھونے کی چادریں اور چھوٹے بڑے بہت سے گندے چیتھڑے تالاب میں دھو رہی ہے اور دھو دھو کر اُسی میں نچوڑ رہی ہے۔ تارنی خود وہاں کھڑا ہے ٭

بارھواں باب

دُوسرے دِن بندرابن نے اپنی ماں کے کہنے کے مطابق چرن کو پاس بُلا کر پُوچھا —— "کیوں بیٹا، اپنی ماں کے پاس جاؤ گے؟"
چرن یہ سُن کر خوشی سے ناچنے لگا، اور بولا "ہاں بابو جی، جاؤں گا"۔

بندرابن دل ہی دل میں چوٹ سی محسوس کر کے بولا "لیکن وہاں تمہیں بہت دن رہنا پڑے گا۔ ہمیں چھوڑ کر وہاں رہ سکو گے؟"
چرن نے جلدی سے سر ہلا کر جواب دیا —— "ہاں، رہ سکوں گا"۔
درحقیقت آئے دن کی سخت پابندیوں کے مارے اور کڑی نگاہ رکھی جانے کی وجہ سے اِس بچّے کی ننھّی سی جان تنگ آ گئی تھی۔ وہ باہر کھیل کود نہ سکتا تھا۔ پاٹھشالہ بند تھی، سنگی ساتھیوں کا مُنہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا تھا اور عموماً دِن رات گھر کے اندر ہی بند رہنا پڑتا تھا۔ چاروں طرف ہیبت سی طاری تھی۔ اگرچہ وہ کوئی بات اچھی طرح نہیں سمجھتا

تھا۔ پھر بھی وہ دل ہی دل میں بہت بے چین رہتا تھا۔ اور ادھر ماں کی بے پناہ محبت، ہر قسم کی آزادی، نہانا۔ کھیلنا کودنا اور کھانا پینا، کسی بات کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ ہزار قصور کرنے پر بھی ہنستی ہوئی محبت بھری گھُرکی ملتی تھی۔ اور بس کسی کی بھی ٹیڑھی آنکھ نہ دیکھنی پڑتی تھی۔ وہ وہاں جانے کے لئے بے چین ہو اٹھا۔ بندرابن نے کہا "اچھا، تو پھر جاؤ" اور اپنے ہاتھ سے ٹین کے ایک بکس میں اُس کے پہننے کے کپڑے بھر کر اور اُس میں کچھ روپے بھی رکھ کر اُسے گاڑی میں بٹھا دیا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر کر اپنے اکلوتے بچّے کا مُنہ چُومتے ہوئے اُسے اُس کی ماں کے پاس بھیج دیا۔ اگرچہ بچّے کی جُدائی اسے شاق گزر رہی تھی لیکن اس خیال سے اُس نے اطمینان کا سانس لیا کہ اب وہ موت کے ہیبتناک جبڑوں سے رہائی پا جائیگا۔ جو نوکر چمن کے ساتھ گیا، اُسے اس کی مکمّل نگہداشت رکھنے کی ہدایت کر دی گئی اور یہ تاکید بھی کی گئی کہ اگر ہر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن اُس کی خیر و عافیت کی خبر وہ ضرور دیتا رہے۔ روانگی کے وقت بندرابن نے دل ہی دل میں کہا، "خواہ لڑکا پھر دیکھنے کو نہ ملے، لیکن اِس دھکتی ہوئی آگ میں تو میں اسے نہیں رکھ سکتا"۔

جب تک گاڑی دکھائی دیتی رہی بندرابن ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔ پھر گھر کے اندر آ کر کچھ دیر اِدھر اُدھر پھرنے کے بعد اچانک اسے اُس دن کا واقعہ یاد آ گیا اور وہ اس خیال سے لرز گیا کہ کہیں بعد میں

گُستم ناراض نہ ہو گئی ہو۔ پھر دل ہی دل میں کہا وہ نہیں، یہ کام ٹھیک نہیں ہُوا۔ اتنے ضدی انسان کا کیا ٹھکانہ ہے۔ مَیں ساتھ نہیں گیا، اِس سے کہیں کچھ اَور سمجھ کر آگ بگولہ نہ ہو جائے۔“ وہ فوراً کندھے پر ایک چادر رکھ کر تیز چلتا گاڑی کے پاس جا پہنچا اَور اُس پر سوار ہو کر چرن کے پاس بیٹھ گیا:

کُنج ناتھ کے مکان کے سامنے پہنچ کر باہر ہی سے گھر کی حالت دیکھ کر بندرابن حیران رہ گیا۔ چاروں طرف کوڑے کرکٹ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مکان بہت دنوں سے غیر آباد پڑا ہو۔ دروازہ کھُلا تھا، چرن کو ساتھ لے کر اندر داخل ہو کر دیکھا، تو وہاں بھی وہی حالت تھی:

آہٹ پا کر کُستم بھی اندر سے بھیّا کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔ لیکن اُن کو دیکھ کر وُہ افسوس اور تکبّر کے مارے جل اُٹھی۔ اَور لمحہ بھر میں پھر اپنی کوٹھڑی کے اندر چلی گئی۔ چرن پہلے کی مانند خوشی سے چلاتا ہُوا دَوڑ کر گیا اَور کُستم کے ساتھ چمٹ گیا۔ کُستم چرن کو گود میں اُٹھا کر اَور سر کا آنچل ٹھیک کر کے پانچ منٹ بعد دروازے کی چوکھٹ میں آ کر کھڑی ہو گئی:

بندرابن نے پُوچھا ــــــ ”کُنج بھیّا کہاں ہے؟“

”معلوم نہیں ــــــ کہیں گھومنے گیا ہے۔“:

بندرابن نے کہا ”مکان کی حالت دیکھنے سے تو ایسا معلوم ہوتا

ہے جیسے بہت دِنوں سے یہ مکان غیر آباد پڑا ہو۔ کیا بہت دنوں سے تُم لوگ یہاں نہیں تھے؟"

"نہیں"

"کہاں تھے؟"

قریباً ایک مہینہ ہُوا کُسم اپنے بھائی کی ساس کے ساتھ مغرب کی جانب تیرتھ یاترا کرنے چلی گئی تھی۔ ابھی کل ہی شام کو وہ لوٹ کر آئی تھی۔ لیکن سچ بات نہ کہہ کر اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "یہاں، وہاں، کئی جگہ"

پہلے جب کبھی بندرابن آتا تھا تو کُسم بیٹھنے کے لئے فوراً آسن بچھا دیتی تھی۔ لیکن آج اُس نے آسن دینا تو درکنار بیٹھنے کے لئے کہا تک بھی نہیں۔ یہ دیکھ کر بندرابن نے خود ہی کہا "میں کھڑا ہوں، بیٹھنے کے لئے جگہ تو دو"

کُسم نے اسی طرح بے رُخی سے جواب دیا۔۔۔۔ "معلوم نہیں آسن باسن کہاں پڑا ہے" اور یہ کہہ کر وُہ اُسی جگہ کھڑی رہی، ایک قدم بھی نہ ہلی۔

بندرابن بہت متحمّل مزاج تھا۔ پھر بھی اس بے عزّتی سے اُس کے دِل کو سخت چوٹ پہنچی۔ لیکن اُس دِن جوش میں آکر جھگڑا کرنے کا قابلِ نفرت فعل اُسے یاد تھا۔ اِس لئے کچھ دیر خاموش رہ کر وُہ بڑی نرمی سے بولا۔۔۔ "میں تمہیں زیادہ دیر تک تکلیف نہیں دُونگا۔

میں جس کام سے آیا ہوں وہ بتا دیتا ہوں۔ ہمارے گاؤں میں بیماری کا بڑا زور ہے۔ اس لئے میں آج چرن کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤنگا"
کسم چونکہ بہت دنوں سے یہاں نہیں تھی اس لئے وہ بیماری وغیرہ کا مطلب نہ سمجھی۔ اُس نے جوش اور خود داری سے جواب دیا "اوہ، اسی لئے مہربانی کر کے یہاں لے آئے ہو؟ لیکن بیماری کہاں نہیں ہے؟ اور میں کس حوصلے پر پرائے لڑکے کی ذمہ داری اپنے سر لے لوں؟"
بندرابن نے سنجیدگی سے جواب دیا "جس حوصلے پر میں لے آیا ہوں، اُسی حوصلے پر۔ اس کے علاوہ میرا خیال ہے کہ وہ سب سے زیادہ تم سے ہی محبت کرتا ہے"۔
کسم کچھ اور کہنا چاہتی تھی کہ چرن اپنے ہاتھ سے اُس کا منہ اپنی طرف کھینچ کر کہا "ماں، بابو جی کہتے ہیں کہ تمہارے پاس رہوں گا۔ نہانے چلو گی نا؟"
اس کے جواب میں کسم نے بندرابن کو سناتے ہوئے کہا —
"نہیں میرے پاس رہنے کی ضرورت نہیں، تمہاری نئی ماں آئے گی تو اُس کے پاس رہنا"۔
بندرابن نے پھیکی ہنسی ہنس کر جواب دیا — "یہ خبر بھی سن لی۔ اچھا تو میں بتائے دیتا ہوں۔ ماں اکیلی گھر نہیں سنبھال سکتی اسی لئے ایک دفعہ وہ بات اُٹھی تھی۔ لیکن اُسی وقت بند ہو گئی"۔
"کیوں بند ہو گئی؟"

"اِس کی ایک خاص وجہ ہے لیکن اُن سب باتوں سے کیا فائدہ! آؤ بیٹا چرن! چلو اپنے گھر چلیں۔ دیر ہو رہی ہے"۔

چرن نے خوشامدانہ لہجہ میں جواب دیا "بابو جی کل آؤنگا"۔

بندرابن خاموش ہو گیا ——— کسم نے بھی بغیر کوئی جواب دیئے چرن کو گود سے اُتار دیا۔ اِس کے دس منٹ بعد بندرابن نے بڑی سنجیدگی سے کہا ——— "آؤ دیر نہ کرو بیٹا، چلو" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہُوا باہر چلا گیا۔

چرن نے لاڈ پیار کی فضا میں پرورش پانے پر بھی بڑوں کا ادب کرنا سیکھا تھا۔ پہلے تو اُس نے ایک بار محبت بھری نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔ لیکن پھر کچھ اُداس ہو کر چُپ چاپ باپ کے پیچھے پیچھے باہر آ گیا۔

گاڑی بان بیلوں کو ندی پر پانی پلانے گیا تھا۔ باپ بیٹا سڑک پر کھڑے ہو کر اُس کی انتظار کرنے لگے۔

اب کُسم وہاں سے کھسک کر صدر دروازے کی آڑ میں سے اپنے خاوند کا مُنہ دیکھ کر چونک پڑی۔

اب اُس میں وُہ نُور نہ تھا، آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں، اور چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال کر دروازے کی آڑ میں سے پکار کر کہا ——— "ذرا ایک بات سُن جاؤ"۔

بندرابن نے نزدیک آکر پُوچھا ——— "کیا کہتی ہو؟"

"کیا اِس دوران میں بیمار تھے؟"

"نہیں"

"تو پھر مریض سے کیوں دکھائی دیتے ہو؟"

"یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ شائد زیادہ فکر کی وجہ سے دُبلا دکھائی دیتا ہوں"

"فکر اور تردّد! خاوند کے اُترے ہوئے چہرے کی جانب دیکھ کر اُس کا جوش کچھ کم ہو گیا تھا۔ لیکن آخری بات سُن کر وُہ پھر بھڑک اُٹھی۔ اُس نے طنز آمیز لہجہ میں کہا ــــ "آپ تو ہر طرح سے سُکھی ہیں۔ فکر اور تردّد کس بات کا، ذرا میں بھی تو سُنوں؟"

بندرابن نے اِس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی تیار ہو جانے پر چرن اُس پر سوار ہونے لگا۔

بندرابن نے کہا "کیوں رے اپنی ماں کو پرنام نہیں کر آیا؟"

چرن نے گاڑی سے اُتر کر اور دروازے کے باہر زمین بوس ہو کر ماں کو پرنام کیا۔ لیکن جب کُسم نے ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑنا چاہا، تو وہ بھاگ گیا۔ سب باتیں نہ سمجھنے کے باوجود بھی وہ یہ ضرور سمجھ گیا کہ ماں نے آج میری آؤ بھگت اور توقیر نہیں کی۔ وہ رہنے کے لئے آیا تھا، لیکن ماں نے اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ بندرابن نے اور بھی نزدیک آکر کہا ــــ "کون جانے پھر کبھی کہہ سکوں گا یا نہیں، اِس لئے آج کہے جاتا ہوں۔ آج تو تُم نے

غُصّے کی حالت میں اپنے چرن کو جگہ نہیں دی، لیکن میرے نہ رہنے پر اس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرنا"۔

کُسُم بے چین ہو کر درمیان میں ہی ٹوک کر بولی "مَیں یہ باتیں سُننا نہیں چاہتی"۔

"پھر بھی سُن لو۔ آج مَیں اِسے تمہیں سونپ دینے کے لئے ہی آیا تھا"۔

"تمہیں میرا اعتبار ہی کیا ہے"۔

بندرابن کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اُس نے کہا "پھر وہی ناراضگی کی بات! کُسُم، سُنا ہے کہ تم نے بہت کچھ سیکھا ہے لیکن عورتوں کے لئے سب سے بڑی سیکھنے کی بات ہے، معاف کرنا، وہ تم نے کیوں نہیں سیکھا؟ لیکن اب مجھے یقین ہے کہ تم چرن کی ماں ہو۔ لڑکے کو سونپنے کے لئے اگر ماں باپ کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر اور کس کا کیا جائے؟"

کُسُم کو اس کا کوئی جواب نہ سُوجھا۔

بَیل گھر جانے کے لئے اُچھل کُود کر رہے تھے۔ چرن نے پُکارا —"بابوجی آؤ نا" کُسُم کچھ کہنا ہی چاہتی تھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی بندرابن "اچھا چلو" کہکر گاڑی پر جا بیٹھا۔

کُسُم وہیں بیٹھ گئی۔ اور اپنی آنجہانی ماں کو یاد کر کے کہنے لگی۔ "ماں! تم ماں ہو کر بھی میرے ساتھ کتنی ناقابلِ برداشت دُشمنی

کر گئی ہو! اگر واقعی تم میری ناواقفیت میں میری پیشانی پر کلنک کا ٹیکا لگا گئی ہو اور اگر واقعی اپنی نفرت انگیز بدنامی کی قربانگاہ پر مجھے قربان کر گئی ہو، تو مجھ سے یہ بات صاف صاف کیوں نہ کہی! کِس کے خوف سے وہ تمام نشان اِس طرح مٹا گئیں! میرا دِل اپنے خاوند اور بیٹے کو پہچان گیا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ اپنے رشتے کو دُنیا کے سامنے ثابت کرنے کا تم کوئی راستہ باقی نہیں چھوڑ گئیں۔ اگر ایسا ہوتا، تو آج کون مجھے چھوڑ سکتا تھا! کون بے شرم خاوند اپنی بیوی کو یتیموں اور محتاجوں کی مانند اپنے زیرِ سایہ آنے کا مشورہ دینے کا حوصلہ کرتا! لیکن اگر یہ غلط ہے اور میں واقعی بیوہ ہوں، تو یہ میں ٹھیک ٹھیک کیوں نہیں جان سکتی۔ اُس حالت میں کِس کی مجال تھی جو ایک بیوہ کے سامنے اُس کے حُسن پر فریفتہ ہو کر دوھا بواہ کی بات چھیڑنے کی جُراُت کرتا!"

کُسم اُسی جگہ بیٹھی بہت دیر تک روتی رہی۔ پھر آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی ہاتھ جوڑ کر بولی "اے بھگوان میری مدد کرو۔ یا تو مجھے خودداری سے سر اُٹھا کر پتی کے گھر جانے دو اور یا بچپن کے وہی بے فکری اور اطمینان کے ایام پھر لا دو۔ تاکہ میں سُکھ کی سانس لے سکوں"!

تیرھواں باب

اُس دن جب کُسم نے اپنے بھائی سے سُنا کہ اُس کا پتی دُوسری شادی کر رہا ہے، تو وُہ متفکر ہو کر سوچنے لگی کہ میں کہاں بھاگ جاؤں اور کیا کروں؟ اِتنے میں اُس کے بھائی کی ساس تیرتھ یاترا کے لئے تیار ہوئی۔ جب اس نے کُسم سے کہا، تو وُہ بھی کسی پس و پیش کے بغیر اُس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئی۔ کُنج کی ساس کُسم کو اپنے ساتھ داسی بنا کر لے گئی تھی۔ اور دَورانِ سفر میں اُس کے ساتھ ویسا ہی سلوک بھی کیا۔ لیکن کُسم میں چھوٹی موٹی باتوں پر دھیان دینے کی طاقت ہی نہ تھی۔ اِس کے بعد جب وُہ واپس نل ڈانگے آئی اور وہاں سے اپنے گھر جانے کے لئے تیار ہوئی تو کُنج کی ساس نے سانپ کی مانند پھنکار کر کہا "نہ بھائی، پاگلوں کی سی باتیں نہ کرو، ہم لوگ ٹھیرے بڑے آدمی، اِس لئے قدم قدم پر ہمارے دشمن ہیں۔ اور تم ٹھیریں جوان عورت، اگر تم وہاں تنہا پڑی رہو گی۔ تو

ہم لوگ سماج میں مُنہ نہ دکھا سکیں گے"۔ کُسم نے اِس کا کوئی جواب نہ دیا،،

تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر کہا "اگر دِل کرے تو اپنے بھائی کے ساتھ چلی جاؤ، اور گھر بار دیکھ کر پھر اُس کے ساتھ ہی آ جانا۔ مَیں کہے دیتی ہوں، کہ تم وہاں اکیلی کسی طرح نہیں رہ سکتیں"،،

کُسم اِس حکم کو مان کر کل شام اپنا گھر بار دیکھنے آئی تھی،،

آج چرن وغیرہ کے چلے جانے کے قریباً دو گھنٹے بعد، کُنج ناتھ زمینداروں کی رفتار سے سارے گاؤں میں گھوم پھر کر واپس آیا۔ نہا کر کھانا کھایا اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اپنی بہن کو ساتھ لے کر سُسرال جانے کی تیاری کرنے لگا،،

کُسم گھر میں تالا لگا کر چُپ چاپ گاڑی پر جا بیٹھی۔ وہ جانتی تھی کہ بھائی اُن لوگوں سے ناراض ہے، اِس لئے اُس نے صبح کے واقعہ کا اُس سے بالکل ذکر نہ کیا،،

کُنج کی بیوی کا نام برجیشوری تھا۔ وہ جیسی صُورت سے سیاہ رنگ کی تھی ویسی ہی سیرت سے بھی لڑاکی تھی۔ اس کی عُمر اگرچہ ابھی پندرہ برس کی بھی نہیں تھی لیکن اُس کے طرزِ گفتگو اور غصّے کی آگ سے اُس کی ماں کو بھی بارہا پناہ مانگنی پڑتی تھی۔ لیکن کُسم کو دیکھتے ہی نامعلوم اسے کیا ہو گیا کہ وہ اس کے ساتھ بہنوں کی طرح محبّت کرنے لگی۔ یہ کہنے کی غالباً ضرورت نہیں کہ برجیشوری کی ماں اسکے

اس روپے سے خوش نہیں ہوئی۔ اور بیٹی کی آنکھ بچا کر کسُم کو جلی کٹی سُنانے لگی ؛

گھر کے سامنے ہی ایک تالاب تھا۔ تین چار دن بعد ایک دن صُبح کسُم کچھ برتن دھونے کے لئے جا رہی تھی۔ برجیشوری نے اندر سے نکل کر اُونچی آواز سے پُوچھا ــــ "کیوں نند جی، ماں تمہیں کتنے روپے ماہوار پر نوکر رکھ کر لائی ہے ؟"

ماں نزدیک ہی بھنڈار کے پاس بیٹھ کر کام کر رہی تھی۔ لڑکی کی کانوں کو پھاڑنے والی آواز سُن کر غصے میں بھر کر بولی "یہ تُو کیسی باتیں کر رہی ہے اپنے آدمی کو بھی کوئی تنخواہ مقرر کر کے گھر لاتا ہے ؟"

برجیشوری نے جواب دیا "اگر اپنی ہے تو میری ہے تمہاری کون ہے جو تُم اُس غریب سے داسیوں کی مانند کام لوگی اور تنخواہ نہ دوگی ؟"

اس کے جواب میں ماں نے جلدی سے جا کر کسُم کے ہاتھ سے سب برتن چھین لئے اور اُن کو لے کر تالاب کو چل دی ؛

کسُم پاگلوں کی مانند چُپ چاپ کھڑی رہی ــ برجیشوری اُس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور یہ کہتی ہوئی اندر چلی گئی "اچھی بات ہے جانے دو !"

اس کے بعد دو تین دن برجیشوری کی ماں نے کسُم کی طرف اشارے کر کے خُوب زہر اُگلا۔ لیکن اچانک ایک دن اُس کے

طرزِ عمل میں تبدیلی دیکھ کر برجیشوری حیران رہ گئی۔
اُس رات طبیعت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کُسم نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ صُبح ہی کُنج کی ساس اسے بار بار کہنے لگی کہ نہا دھو کر اور پُوجا پاٹھ کر کے کھانا کھا لو۔

برجیشوری نے نزدیک جا کر آہستہ سے کہا ——— "نند جی، مَیں سوچ رہی ہوں کہ ماں نے آج اپنا رویہ یکایک بدل کیوں دیا ہے؟"

کُسم خاموش رہی۔ لیکن برجیشوری اپنی ماں کو خُوب پہچانتی تھی۔ اِس لئے دو ہی دن میں اس نے تبدیلی کے اسباب معلوم کر لئے اور اس عِلم سے اس کے دِل کو بڑی تکلیف پہنچی۔ اُس کی ماں کا ایک بھانجا تھا ——— گوردھن۔ اندھا دُھند تاڑی اَور گانجا پی کر اُس نے اپنی شکل ایسی بگاڑ لی تھی کہ کوئی یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کی عمر پنتیس سال ہے یا پینسٹھ سال۔ کوئی اُسے اپنی لڑکی دینا پسند نہ کرتا تھا۔ اِس لئے وُہ ابھی تک مجرّد ہی تھا۔ پہلے تو وہ شاید ہی کبھی ملتا تھا، لیکن آجکل کوئی نہ معلوم کشش اُسے ہر روز خالہ کے گھر کھینچ لاتی تھی۔ اور خالہ کی محبّت اور عقیدت بھی اب اس کے دل میں اتنی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اُس کے پاس دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہتا تھا۔ اَور اس کے حُکم احکام بھی ماننے لگا تھا۔

آج دوپہر کو برجیشوری کُسم کو ساتھ لے کر تالاب میں نہلانے

گئی تھی۔ پانی میں اُترنے پر اُس کی نگاہ اچانک گھاٹ کے پاس ہی کامنی کے گھنے درخت کی طرف گئی۔ اُس نے دیکھا کہ گوردھن اُس کی آڑ میں کھڑا ہو کر ٹکٹکی لگائے اِدھر ہی دیکھ رہا ہے۔ لیکن اُسوقت وُہ خاموش رہی نہا دھو کر گھر آئی، تو دیکھا کہ وہ آنگن میں کھڑا ہُوا اپنی خالہ سے باتیں کر رہا ہے۔ کسُم جلدی سے گھونگھٹ نکال کر اُس کے سامنے سے کتراتی ہوئی اندر چلی گئی۔ برجیشوری نے نزدیک جاکر پُوچھا۔ "کیوں گوردھن بھیّا! پہلے تو کبھی نظر نہ آتے تھے۔ آجکل تم اتنے مہربان کیسے ہو گئے؟ اب تم گھر کے اندر آنا جانا ذرا کم کردو۔"

گوردھن کو معلوم نہ تھا کہ برجیشوری نے اُس کو کامنی کے درخت کی آڑ میں کھڑے دیکھ لیا ہے۔ برجیشوری کے اِس سوال اور اُس کے رویہ کو دیکھ کر وہ سٹپٹا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

لیکن برجیشوری کی ماں آگ ببولہ ہو کر، آنکھیں سُرخ کر کے، چلّا اُٹھی۔ "پہلے اُس کا دل نہیں کرتا تھا نہیں آتا تھا۔ اب اُس کا دِل کرتا ہے اِس لئے آتا ہے۔ تو کیوں بگڑتی ہے؟

برجیشوری نے غصّہ نہیں کیا، سنجیدگی سے جواب دیا۔ "یہ خواہش مجھے پسند نہیں ماں! مَیں اپنے لئے اتنا نہیں کہتی، میری نند بھی یہاں ہے۔ کم سے کم اِس بات کا خیال تو رکھنا چاہیئے کہ وُہ پرائی لڑکی ہے۔"

ماں نے گلا پھاڑ کر جواب دیا۔ "تو کیا پرائی لڑکی کے لئے، ہم اپنے رشتہ داروں کو بھی چھوڑ دیں، اُن کے لئے اپنے گھر کے

دروازے بند کرلیں۔ پھر یہ پرائی لڑکی کیا پردہ نشین ہے، جو کسی کے سامنے نہیں نکلتی؟ وہ تو سب کے سامنے اِس طرح باہر نکلنا جانتی ہے کہ اُسے دیکھ کر میرے جیسی بوڑھیوں کو بھی شرم آتی ہے"۔

برجلیشوری نے سمجھ لیا کہ ماں کا اشارہ کس طرف ہے۔ اِس لئے وہ کچھ رُک گئی۔ اُسے یاد آگیا کہ اسی کُسم کے متعلّق چند دن پہلے اُس نے خود بھی اپنی ماں سے کتنی ہی ایسی ویسی باتیں کہی تھیں لیکن اُس وقت کی بات کچھ اور تھی، اب کچھ اور ہو گئی تھی۔ اُس وقت اُسے کُسم سے محبّت نہیں تھی، اب محبّت ہو گئی تھی۔ حقیقی بہنوں سے بھی زیادہ محبّت۔ اس قسم کی محبّت ایک انسان دوسرے سے بھگوان کی کرپا کے بغیر کر ہی نہیں سکتا۔

برجلیشوری جانے لگی لیکن جاتے جاتے گوردھن کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر بولی "بھیّا یہ بڑی بے حیائی کی بات ہے میں مُنہ کھول کر کہہ تو نہیں سکتی، لیکن دیکھ سب کچھ لیا ہے۔ اگر بھائی کی طرح یہاں آسکو تو بخوشی آیا کرو۔ ورنہ تمہاری تقدیر میں دُکھ لکھا ہے اور اُس دُکھ سے تمہیں تمہاری خالہ بھی نجات نہیں دلا سکتی"۔ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

گوردھن نے آنکھیں لال کر کے کہا — "خالہ! میں تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ کون سالا وہاں جھاڑی کے اندر داتن توڑنے گیا تھا۔ پوچھنے کے لئے — چلو نا حلوائی کی دُکان

پر۔ آئے وہ میرے ساتھ اُس محلّے میں، ثابت کرا دیتا ہوں" اسی قسم کی بے معنی باتیں کرتا ہُوا گورؔدھن وہاں سے کھسک گیا۔

برجیشوری نے کپڑے بدل کر کستم کی کوٹھڑی میں جا کر دیکھا کہ وہ ابھی تک بھیگی دھوتی پہنے ہوئے جنگلے کے سہارے کھڑی باہر کی جانب دیکھ رہی ہے۔ پاؤں کی آہٹ سُن کر اُس نے روتے ہوئے کہا "کیوں بھابی، تم کیوں خواہ مخواہ میرے لئے جھگڑا مول لیتی ہو۔ کیا تم مجھے یہاں بھی نہ رہنے دو گی؟"

"پہلے تم یہ دھوتی اُتارو، پھر بتاؤں گی"۔

یہ کہہ کر برجیشوری نے زبردستی اُس کی بھیگی دھوتی اُتروا کر دُوسری دھوتی پہنوائی۔ اس کے بعد کہا —— "نند بہن، مجھ سے کسی پر ظلم ہوتے دیکھا نہیں جاتا۔ وہ خواہ تم پر ہو خواہ کسی اور پر۔ میں تو اُس کمبخت کو اب گھر میں نہ گھسنے دُونگی۔ میں اُس کا مطلب سمجھ گئی ہوں" وہ شرم کے مارے ماں کے دل کی بات نہ کہہ سکی۔

کستم نے رونی صُورت بنا کر کہا "مطلب کسی کا کچھ ہو، لیکن بھابی، میں تمہارے پاؤں پکڑتی ہوں، تم میرے لئے اپنی ماں سے لڑ کر مجھے اور زیادہ مصیبت میں نہ پھنساؤ"۔

"لیکن میری زندگی میں تم پر مصیبت آ ہی کیونکر سکتی ہے؟"

کستم نے سر ہلا کر جواب دیا "ضرور آئیگی۔ آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ وہ آئیگی (پیشانی پر ہاتھ مار کر) اپنی اس بدنصیبی کو لے کر

جہاں بھی جاؤنگی وہیں مصیبت بھی ساتھ جائیگی۔ شاید بھگوان نے بھی امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔" یہ کہہ کر وہ رونے لگی۔ برجیشوری نے اُس کے آنسو پونچھ ڈالے اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے کہا ۔۔۔ "شاید تمہاری بات بالکل غلط نہیں ہے لیکن تم ناراض نہ ہونا بہن۔ صرف تقدیر کو کوسنے سے ہی گذارہ نہیں ہوگا! اِس میں تمہارا اپنا قصور بھی کچھ کم نہیں"۔

کسم نے برجیشوری کے منہ طرف دیکھتے ہوئے پُوچھا ۔۔۔

"بھلا میرا کیا قصور ہے؟ میری بچپن کی ساری بات تو تم نے سُنی ہی ہوگی؟"

"سُنی ہے۔ لیکن وہ تو سب شروع سے لے کر آخر تک جھوٹ ہے۔ تم عقلمند ہو، سب کچھ سمجھتی ہو۔ پھر بھی نہ تو تم سیندور لگاتی ہو، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں پہنتی ہو، نہ سُسرال ہی جاتی ہو۔ یہ سب تقدیر کا قصور ہے یا تمہارا اپنا؟ اُس وقت تم ناسمجھ اور انجان تھیں۔ لیکن اب تو سمجھدار ہو۔ اب تم ہی بتاؤ، ایسی کون سہاگن ہے، جو ناراض ہو کر بیوہ کا بھیس بنا رکھے؟"

"بھابی! میں یہ سب جانتی ہوں۔ لیکن خالی سیندور لگا لینے اور چوڑیاں پہن لینے سے ہی تو لوگ سہاگن نہیں مان لیں گے۔ پوچھیں گے "تیرا پتی کون ہے؟ اِس بات کا گواہ کون ہے؟" اور پھر وہ بھی یونہی کیسے مجھے گھر رکھ لیگا؟

برجیشوری حیران ہو کر بولی۔ تم یہ کیسی باتیں کرتی ہو، بہن! بھلا اِس سے بڑھ کر ثبوت کسی بات کا اَور کیا ہو سکتا ہے؟ کیا تم نے کچھ نہیں سُنا کہ اِس بات کو لے کر نند کا کا کے ساتھ اس گھر میں کیا کچھ ہو چکا ہے؟" تھوڑی دیر خاموش رہ کر برجیشوری پھر بولی۔ "تمہارا بھیّا تو سب کچھ جانتا ہے۔ اُس نے بھی نہیں کہا؟ میرا تو خیال تھا کہ تم سب باتیں سُن سُنا کر ہی یہاں آئی ہو۔ مَیں نے اِسی لئے تم سے کچھ نہیں کہا۔ خاموش ہی رہی کہ کہیں تم بُرا نہ مانو، کہیں تمہیں دُکھ نہ ہو۔ بلکہ جس دن تم یہاں آئی تھیں، اُس دن تمہارے یہاں آنے کی وجہ سے مجھے تم پر غصّہ بھی آیا تھا"۔

کسم نے حیران ہو کر جلدی سے پوچھا —— "نہیں بھابی! مَیں نے کچھ بھی نہیں سُنا۔ بتاؤ کیا ہُوا تھا؟"

برجیشوری نے سرد آہ بھر کر جواب دیا —— "خُوب! جیسا بھائی ہے، ویسی ہی بہن۔ نند وئی کے ساتھ جب نند کا کی لڑکی کی شادی کا انتظام ہُوا، تو تم تیرتھ یاترا کو گئی ہوئی تھیں۔ اُس وقت تمہارے بھیّا نے تو اُس شادی کے خلاف شور مچایا اور آخر میں وہ ہی خاموش ہو رہے۔ میری ساس کی بابت، تمہاری بابت، تمہارے سُسرال والوں کی بابت سب باتیں ہوئیں۔ تب نند کا کا نے انکار کر دیا کہ کہیں پھر اُن کی لڑکی کا رشتہ نہ ٹوٹ جائے۔ اُس کے بعد مندر کے بڑے باباجی بلوائے گئے اور اُنہوں نے آ کر فیصلہ کر دیا

کہ سب جھوٹ ہے۔ کیونکہ پہلے تو انہیں خبر دیئے بغیر، اور اُن کی اجازت حاصل کئے بغیر ہماری قوم میں یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ اِس کے علاوہ انہوں نے نند کا کا کو حکم دیا کہ جس نے یہ کام کیا تھا اُسے حاضر کرو۔ اُسی وقت اُس نے یہ بات تسلیم کی تھی کہ کنٹھی بدلنے کی بات چلی تھی، کنٹھی بدلی نہیں گئی"۔

کسم حیرت زدہ ہو کر بول اُٹھی ——"نہیں بدلی گئی بھابی؟ یہ تو میں بھی دِل ہی دِل میں جانتی تھی۔ لیکن آخر میرے متعلق اتنی سب باتیں اُٹھیں کیوں؟"

برجیشوری نے ہنس کر کہا ——"تمہارے بھائی کو کبھی کبھی جنوں کا دورہ پڑ جایا کرتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو دُنیا کی شرم کے مارے کبھی اتنا شور و غُل نہ مچانا چاہتا۔ لیکن اُسے تو اس بات کا کوئی خیال ہی نہیں۔ اِسی لئے چاروں طرف اپنی بدنامی کی شہرت پھیلانے لگا اور ہر ایک سے کہنے لگا کہ جب ہماری بہن کا کوئی قصور ہی نہیں، جب ہماری ماں نے اُس کی کنٹھی بدلوائی ہی نہیں تو پھر ہمارا بہنوئی اُسے اپنے گھر کیوں نہیں لے جاتا اور کیوں نند اپنی لڑکی کی شادی اُس کے ساتھ کر رہا ہے"۔

کسم نے شرم سے سر جھکا کر کہا ——"چھی! چھی! لیکن آخر ہُوا کیا تھا؟"

برجیشوری نے کہا ——"پھر کچھ نہیں ہُوا۔ میری ساس اور نند کا کا کی بہو دونوں کے والدین ایک ہی گاؤں میں رہتے تھے۔ غصہ

شرم، افسوس اور غیرت کی وجہ سے وہ تمہیں یہاں لے آئی، اُن کے لڑکے کے ساتھ ہی تمہاری دوسری شادی کی بات ہوئی تھی، لیکن ہو نہیں سکی۔ اچھا نند بہن، نندوئی جی (بندرابن) بھی تو سب باتیں اپنے کانوں سے سُن گئے تھے، کیا انہوں نے بھی اشارۃً یا کنایتاً یہ بات تمہیں نہیں بتائی پہلے تو سُنا تھا کہ تمہارے لئے وہ......"

کُسُم نے مُنہ پھیر کر کہا۔ "بھابی! معلوم ہوتا ہے کہ اُس دن وہ یہی بات کہنے آئے تھے"۔

برجیشوری نے حیران ہو کر پوچھا "کس دن؟ کیا اس دوران میں وہ تمہارے پاس گیا تھا؟"

"ہاں، جس دن ہم یہاں آئے تھے، اُسی دن صبح"۔

"پھر کیا ہوا؟"

"میرے ناروا سلوک کی وجہ سے کچھ کہے بغیر ہی چلے گئے"۔

برجیشوری نے مُسکراتے ہوئے پُوچھا "کیا کیا تھا تم نے؟ اپنی جھونپڑی میں گھُسنے ہی نہیں دیا یا بات ہی نہیں کی؟"

کُسُم نے ایک سرد آہ کھینچی لیکن کوئی جواب نہ دیا۔

برجیشوری نے بھی اور کوئی بات دریافت نہ کی۔ شام کا دھندلکا تاریکی میں تبدیل ہو رہا تھا۔ چاروں طرف سے سنکھوں کی آواز سے چونک کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی "نند جی تم ذرا بیٹھو، میں چراغ جلا کر ابھی آتی ہوں"۔ یہ کہکر برجیشوری وہاں سے چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد لَوٹ کر دیکھا کہ کُسُم وہیں زمین پر اوندھے مُنہ پڑی سِسک سِسک کر رو رہی ہے۔ چراغ کو اپنی جگہ رکھ کر وہ کُسُم کے پاس جاکر بیٹھ گئی اَور بہت دیر تک خاموشی سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی۔ اِس کے بعد آہستہ سے بولی "نند جی، تم نے واقعی اچّھا کام نہیں کیا۔ یہ تو مَیں نہیں جانتی کہ تم نے کیا کیا تھا۔ لیکن جب تم جانتی ہو کہ وہ کون ہے اور تم کون ہو، تو اُن کی اجازت لئے بغیر تمہارا کہیں بھی جانا ٹھیک نہیں تھا"۔

کُسُم نے سر نہیں اُٹھایا۔ چُپ چاپ سُنتی رہی۔

برَجیشوری نے پھر کہا "تمہارے ہی مُنہ سے جہاں تک تمہاری باتیں سُنی ہیں، اُن سے اندازہ لگا کر مَیں کہہ سکتی ہوں، کہ اگر مَیں تمہاری جگہ ہوتی تو پیدل چل کر اُن کے گھر جانے کی بات تو کہیں رہی، اگر وہ حُکم دیتا کہ سارا راستہ ناک رگڑتی آؤ، تو مَیں ویسا ہی کرتی"۔

کُسُم نے پہلے کی مانند زمین پر پڑے پڑے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا "بھابی یہ مُنہ سے تو کہنا آسان ہے لیکن عمل میں لانا بہت مشکل ہے"۔

"بالکل نہیں۔ پیدل جانے سے اگر پتی ملے، بیٹا ملے، با عزّت کھانے پہننے کو ملے، تو اتنا کچھ ملنے پر عورت کے لئے کونسا کام دُشوار ہے؟ مجھے تو اگر یہ بھی نہ ملتا، جب بھی لَوٹ کر نہ آتی۔ نکال دینے کے باوجود بھی نہیں۔ جان سے تو مار ہی نہ دیتا، پھر اَور کس چیز کا خوف تھا، بہت کرتا، تو کہہ دیتا، کہ نکل جاؤ۔ مَیں جواب دیتی۔ کہ تم نکل جاؤ۔

قصور میرا ہے۔ اگر نہ نکلتی تو بتاؤ وہ کیا کرتا؟"
برجیشوری کی یہ بات سُن کر اتنے رنج وغم میں بھی کسُم ہنس پڑی۔
لیکن برجیشوری نے اِس ہنسی میں اُس کا ساتھ نہیں دیا۔ واقعی
باتیں اُس کے دِل سے نکل رہی تھیں۔ کسُم کو ہنسانے یا تسلّی دینے
کے لئے نہیں۔ اُس نے اَور بھی زیادہ سنجیدہ ہو کر کہا "نند جی، میں
کل ٹھیک کہتی ہوں۔ تم کسی کی بات نہ سنو اَور اُس کے پاس چلی جاؤ۔
ں مصیبت کے وقت پتی اور بیٹے کو تنہا نہ چھوڑو"۔
برجیشوری کے لہجے میں اچانک یہ تبدیلی دیکھ کر کسُم سب کچھ
ول گئی اور فوراً اُٹھ کر پُوچھنے لگی "مصیبت کے دن کیسے؟"
برجیشوری نے جواب دیا "یہ مصیبت کے دِن نہیں تو اَور کیا
ں۔ یہ درست ہے کہ وہ لوگ خیر و عافیت سے ہیں۔ لیکن تمہارے
ائی کی زبانی معلوم ہُوا ہے کہ آجکل باڈل میں ہیضہ کی بیماری بڑے
وروں پر ہے اور ہر روز دس پندرہ آدمی لقمہ اجل ہو جاتے ہیں"
ں، نند جی، یہ کیا کر رہی ہو؟ میرے پاؤں چھوڑ دو"۔
کسُم نے اُس کے دونوں پاؤں پکڑ کر روتے ہوئے کہا ——
ھابی! وہ میرے پاس چرن کو چھوڑنے آئے تھے۔ لیکن میں نے
ں رکھا۔ میں نے اُن کی کوئی بات نہیں سُنی۔ بھابی ......"
برجیشوری نے روک کر کہا "اچھا اب تو سُن لیا؟ اب جا کر
کے کو سنبھالو"۔

"اب میں کیسے جاؤں ؟"

برجیشوری جواب دینا ہی چاہتی تھی کہ پیچھے سے کسی کے آنے کی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے مُنہ پھیر کر دیکھا کہ دہلیز میں ماں کواڑ کھولے کھڑی ہے۔ آنکھوں سے آنکھیں ملتے ہی ماں نے طعنہ مار کر کہا۔

"نند جی کو کیا مشورہ دیا جا رہا ہے"۔

برجیشوری نے متانت سے جواب دیا "ماں اندر آجاؤ۔ تم ڈرو نہیں۔ اپنے آدمی کو کوئی بُرا مشورہ نہیں دیتا، میں نے بھی نہیں دیا"

ماں بہت دیر سے اندر ہی اندر جل بھُن رہی تھی۔ بھڑک کر بولی

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں لوگوں کو بُری صلاح دیتی ہوں۔ میں نے اُسی وقت سمجھ لیا تھا کہ یہ کلموہنی گھر میں آئی ہے تو اِس میں بھی فتنے فساد کی آگ لگا دے گی۔ رنجن ناتھ اِسے پھوٹی آنکھوں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آخر کیوں ؟ اِس کی عادت اور رنگ ڈھنگ کی وجہ سے ہی نا؟"

برجیشوری بھی ماں کو کچھ ایسا ہی کڑا جواب دینا چاہتی تھی لیکن کسم نے آہستہ سے چٹکی لی، جس سے وُہ رُک گئی۔ اور بولی ـــ "

"اِسی لئے میں اِس کلموہنی سے کہہ رہی تھی کہ سُسرال چلی جاؤ۔ یہاں نہ رہو"۔

سُسرال کا نام سُن کر ماں نے پان سے رنگین ہونٹ پھیلا کر اور تلک سے پوتی ہوئی ناک کو سکیڑ کر کہا "کس سُسرال میں نند کو بھیجتی ہو، نند ویشنو کے ....."

اِس دفعہ برجیشوری دھمکا کر بولی "سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی انجان بن کر خواہ مخواہ ایک شریف لڑکی کی بے عزّتی نہ کرو۔ لڑکیوں کے دس بیس سُسرال نہیں ہوتے۔ اگر آج نند وِشنو کا نام لیا جائیگا تو کل تمہارے گوردھن کے باپ کا بھی لیا جائیگا اور وہ تمہیں بھی زبان پر تالا لگا کر سُننا پڑے گا"

لڑکی کا یہ سخت اور صاف اشارہ سُن کر ماں بارود کی مانند بھڑک اُٹھی اور چلّا کر بولی "چل کمبخت! بیٹی ہو کر تو ماں پر بدنامی کا داغ لگاتی ہے!"

برجیشوری نے جواب دیا "اگر صرف بکواس ہی ہوتی تو خیر تھی ماں۔ یہ تو بالکل ٹھیک ہے۔ تم جیسی دو چار وِشنو عورتوں کی کرتوت دیکھ کر تو دِل چاہتا ہے کہ ہم لوگ اپنے آپ کو ڈوم، چمار یا موچی کہا کریں۔ اپنے آپ کو وِشنو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ خیر جانے دو، زیادہ بات بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں اِس بات کا دُکھ ہے کہ میں نے تمہاری بدنامی کی تو نند جی کو باڈل بھیج دو۔ اُس کے بعد جو تمہارے مُنہ میں آئے وہ کہہ لینا مجھے اور بھی دس گالیاں دے لینا میں تمہاری قسم کھاتی ہوں ماں، میں کچھ نہیں بولوں گی"

برجیشوری کے تیز تیروں کی زد میں آ کر ماں نے سمجھ لیا کہ اگر یہ لڑائی اور آگے بڑھی تو شکست کا مُنہ مجھے ہی دیکھنا پڑے گا۔ اِس لئے لہجے کو نرم کر کے کہا "وہاں بھیج دینے سے بھی وُہ لوگ

اِسے گھر میں کیسے داخل ہونے دینگے؟ برجیشوری میں تیری نسبت بہت زیادہ جانتی ہوں۔ اُن لوگوں کا اِس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اَور بندرابن کے ساتھ کسم کا کوئی رشتہ نہیں۔ جھوٹی اُمید دلاکر اِسے سبز باغ نہ دکھا" یہ کہہ کر وہ جواب کا انتظار کئے بغیر ہی تیزی سے باہر نکل گئی ؛

اُس کے جانے کے بعد جب کسم نے اپنا خشک اَور زرد چہرہ اُوپر اُٹھایا تو برجیشوری اُس کا چہرہ دیکھ کر ڈر گئی پھر بولی — "جھوٹ بات ہے بہن بالکل جھوٹ۔ ماں جان بوجھ کر تمہیں ستانے کے لئے جھوٹ بول کر گئی ہے۔ یہ بات میں اُس کی بیٹی ہو کر بھی تمہارے سامنے تسلیم کرتی ہوں۔ اچھا میں ابھی آتی ہوں" ؛

یہ کہہ کر نہ معلوم برجیشوری کیا سوچ کر جلدی سے اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی ؛

کنج نے یہ بات درست کر دی کہ مالی حالت بہتر ہونے سے عقل بھی تیز ہو جاتی ہے۔ بیوی اور بہن کی منت سماجت بھی اُسے فرض سے منحرف نہ کرا سکی۔ اُس نے سر ہلا کر کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک ماں نہ کہے، اُسوقت تک چرن کو یہاں نہیں لا سکتا" ؛

برجیشوری نے کہا "اچھا تو ایک بار جا کر دیکھ ہی آؤ، کہ وہ لوگ خیر و عافیت سے تو ہیں" ؛

کنج ناتھ نے آنکھیں پھاڑ کر برجیشوری کی طرف دیکھتے ہوئے

جواب دیا۔ "باپ رے باپ! وہاں تو دس بیس آدمی روز مرتے ہیں"۔
"اور کوئی آدمی بھیج دو۔ جو جا کر خبر لے آئے"۔
"ہاں یہ ہو سکتا ہے"۔
کنج ناتھ آدمی کی تلاش میں باہر چلا گیا۔
دوسرے دن کسم نہا کر باورچی خانہ میں جا رہی تھی کہ داسی نے آنگن میں جھاڑو دیتے ہوئے کہا "بہن ماں نے منع کیا ہے۔ آج تم باورچی خانہ میں نہ جاؤ"۔
یہ بات سنتے ہی کسم کا کلیجہ کانپ اٹھا۔ وہ وہیں کھڑی ہو کر آہستہ سے بولی "کیوں؟"
"یہ تو میں نہیں جانتی"، کہکر داسی پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔
کسم واپس آ کر بہت دیر تک اپنے کمرے میں بیٹھی رہی۔ پہلے ہر روز برجیشوری اتنی دیر میں وہاں کئی چکر کاٹ جایا کرتی تھی۔ لیکن آج اس کی صورت میں دکھائی نہ دی۔ باہر نکل کر ایک دفعہ اسے ڈھونڈھ بھی آئی تھی لیکن وہ نہیں ملی۔
وہ اپنی ماں کے کمرے میں چھپی بیٹھی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ کسم اس کمرے میں نہیں آتی۔ ہر روز دونوں ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتی تھیں لیکن جب کھانے کا وقت بھی گزر گیا تو غصے اور رشک کے مارے کسم سے نہ رہا گیا اور وہ پھر ایک دفعہ برجیشوری کو تلاش کرنے کے لئے باہر نکلی۔ اتنے میں برجیشوری کی ماں اس کے نزدیک آ کر بولی ——

"بیٹی، اب اور دیر کیوں کر رہی ہو؟ جاؤ جا کر تالاب میں ایک غوطہ لگا آؤ اور دو روٹی کھا لو۔ تمہارا بھائی رائے لینے کے لئے ٹھاکر باڑی گیا ہے"۔

کسم نے پوچھنا چاہا، لیکن اُس کی زبان نے بولنے سے جواب دیدیا۔ جیسے لکڑی کی مانند اکڑ گئی ہو۔ ماں نے خود ہی محبت آمیز لہجہ میں جواب دیا۔

"جب تم بندرابن کی بیوی ہو تو اُس کی مانند ہی تم سے چھوت چھات کرنی پڑے گی۔ خیر بچاری اچھی ہی تھی۔ اُس دن ہماری برجیشوری کا رشتہ کرنے آئی تھی۔ اُس نے کتنی ہی باتیں کی تھیں۔ آج چھ دن ہوئے بچاری فوت ہو گئی۔ جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب مہاپربھو لڑکے کو ہی بچائیں۔ ہاں، کیا نام ہے، بیٹی لڑکے کا؟ چرن؟ آہا! کتنا خوبصورت بچہ ہے جیسے کسی راجہ کا لڑکا ہو اُسے بھی آج صبح سے دو تین قے اور دست آ چکے ہیں"۔

کسم سر نیچا کئے خاموش بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اپنے کمرے میں چلی گئی۔

غالباً تین بجے کا وقت ہو گا۔ برجیشوری نے کسم کو تمام کمروں میں ڈھونڈ ڈالا، لیکن کسم کا کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اُس نے داسی سے پوچھا۔ "کیوں ری، تُو نے کہیں نند جی کو دیکھا ہے؟"

داسی نے جواب دیا ــــ "نہیں صبح ہی دیکھا تھا"۔

اپنی بیوی کے رونے کی آواز سُن کر کنج ناتھ کی نیند کھل گئی۔ وہ اُٹھ بیٹھا اور بولا ــــ "یہ کیا ہُوا، وہ کہاں چلی گئی؟"

برجیشوری نے روتے ہوئے جواب دیا "معلوم نہیں میں اندر باہر

تالاب، باغ وغیرہ سب جگہ دیکھ آئی ہوں۔ لیکن کہیں دکھائی نہیں دی“
برجیشوری کے آنسو دیکھ کر اور تالاب کا نام سُن کر کنج ناتھ رونے لگا ”تو پھر وہ زندہ نہیں ہے، ماں کی طعنہ زنی وہ برداشت نہیں کر سکی۔ اِس لئے وہ ضرور کہیں ڈوب کر مر گئی ہے“۔
یہ کہہ کر وہ دوڑ کر باہر جا رہا تھا کہ برجیشوری نے اُس کا دامن پکڑ کر کہا ”سنو، اِس طرح نہ جاؤ“۔
”نہیں میں کچھ نہیں سُننا چاہتا“۔
یہ کہہ کر کنج ناتھ ایک جھٹکے سے اپنا دامن چھوڑا کر باہر نکل گیا۔
قریباً دس منٹ بعد کنج ناتھ عورتوں کی مانند اُونچی آوازیں روتا ہُوا گھر واپس آیا اور آنگن میں کھڑا ہو کر چلا چلا کر کہنے لگا ”ماں نے میری بہن کو مار ڈالا۔ اب مَیں یہاں نہیں رہونگا۔ اِس گھر میں پاؤں بھی نہیں رکھوں گا۔ ہائے ری کسُم“۔
کنج ناتھ کی ساس کو ابھی معلوم نہیں تھا۔ چلّانے کی آواز سُن کر باہر نکلی اور حیرت سے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔
برجیشوری نے کنج ناتھ کے پاس جا کر اُس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنا چاہا لیکن اُس نے دھکّا دے کر گرا دیا ”چل ہٹ، آنکھوں سے دُور ہو! مجھے ہاتھ نہ لگا“۔
برجیشوری پھر اُٹھ کھڑی ہوئی اور اِس دفعہ زبردستی دھکیلتی ہوئی اسے اندر لے گئی، اور بولی ”کیا رونے چلّانے سے تمہاری بہن

لَوٹ آئیگی۔ مجھے یقین ہے کہ وُہ ڈُوب کر نہیں مری، زندہ ہے"۔

لیکن کُنج کو یقین نہ آیا۔ وہ اُسی طرح اُونچی آواز سے روتا رہا۔ اسے اپنی آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہتا ہُوا معلوم ہُوا جس میں اس کی خُود دار چھوٹی بہن کی لاش تیر رہی تھی۔

برجیشوری نے محبت سے اپنے پتی کی آنکھوں کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "آپ حوصلہ کریں۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ نند بہن مری نہیں زندہ ہے"۔

کُنج ناتھ اشک آلود آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس کی بیوی نے پھر ایک مرتبہ اپنے آنچل سے اچھی طرح اُس کی آنکھیں پُونچھتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ نند جی چوری سے باڈل چلی گئی ہیں"۔

کُنج ناتھ نے بے اعتباری سے سر ہلا کر جواب دیا —— "نہیں، نہیں وہ وہاں کبھی نہیں جائے گی۔ چرن کے علاوہ وہاں اَور کسی کو وہ دیکھ نہیں سکتی"۔

برجیشوری نے کہا "یہی تو تمہاری غلط فہمی ہے۔ مَیں جس طرح تُم سے محبت کرتی ہوں، اُسی طرح وہ بھی اپنے پتی سے محبت کرتی ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو وہ چرن کے لئے بھی تو وہاں جا سکتی ہے"۔

"لیکن وہ تو باڈل کا راستہ بھی نہیں جانتی"۔

"یہی تو ڈر ہے۔ اگر کہیں اِدھر اُدھر بھٹک گئی، تو وہاں پہنچنے میں اُسے دیر لگے گی۔ راستے میں کسی مصیبت میں نہ پھنس جائے ورنہ

اگر باڈل سات سمند رتیرہ ندی پار ہو، تو بھی وہ ایک نہ ایک دن پُوچھتی پوچھتی وہاں پہنچ ہی جائیگی۔ میری بات مانو، تم بھی اُسی راستے چلے جاؤ، اگر راستے میں کہیں مِل جائے تو اپنے ساتھ لے جا کر اُسے اُس کے پتی کے ہاتھ سونپ کر چلے آنا"؛

"اچھا! جاتا ہوں" کُنج ناتھ اُٹھ کھڑا ہُوا ؛

آج اُس کا خُوبصورت چمکیلا ولائتی جُوتا، قیمتی ریشمی دوپٹہ اور پُر وقار رفتار سب سُسرال میں ہی پڑے رہ گئے۔ کمبخت کُسُم کے غم میں زمیندار کُنج ناتھ بابو پھیری والے کُنج ویشنو کی شکل وصُورت بنائے ننگے پاؤں اور برہنہ بدن پاگلوں کی مانند دَوڑتا ہُوا چل پڑا؛

چودھواں باب

بندرابن کی ماں کو فوت ہوئے چھٹا دن تھا۔ اگر واقعی انسان کو نیک اعمال کے بدلے سورگ نصیب ہوتا ہے تو اِس میں کوئی شک نہیں کہ بندرابن کی ماں کو بھی ضرور سورگ میں جگہ ملی ہوگی

اُس دِن تارنی کے قابلِ نفرت رویہ اور گھوشال کے شاستر گیان اور بددُعا سے دُکھی ہوکر بندرابن نے اپنے گاؤں میں جدید طریقہ کا لوہے کے نل والا کنواں بنوانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ ایسا کنواں بنوانا چاہتا تھا جس کے پانی کو کوئی کسی طرح بھی خراب نہ کرسکے اور پانی نکالنے میں بھی زیادہ محنت اور وقت صرف نہ کرنا پڑے۔ تاکہ گاؤں کے تمام لوگوں کی مصیبت دُور ہوجائے۔ اور ہر سال ہیضے کی وبا سے سینکڑوں ہی قیمتی جانیں ضائع ہونے سے بچ جائیں وہ اپنی اِس خواہش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ صرف کرنے کے لئے تیار تھا۔ اِس لئے اُس نے کلکتہ کی ایک مشہور

فرم کو چٹھی لکھ کر اُس کے کارندوں کو بُلوایا تھا۔ جس دن اُس کی والدہ کی وفات ہوئی، اُسی دن صبح وہ ان کے ساتھ بیٹھا بات چیت میں مصروف تھا اور شرائط کر رہا تھا۔ قریباً دس بجے کا وقت ہوگا کہ داسی نے گھبرائے ہوئے باہر آکر کہا:-

"بابو جی اتنا دن چڑھ آیا، لیکن ماں نے ابھی تک دروازہ نہیں کھولا؟"

بندرابن نے حیران ہو کر پوچھا "کیوں ماں ابھی سو کر نہیں اُٹھیں؟"
بندرابن گھبرا کر وہاں سے دوڑا ہوا آیا اور کواڑوں کو کھٹ کھٹا کر پکارنے لگا "ماں! ماں!"

لیکن اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ گھر بھر کے سب لوگ چلّا چلّا کر پکارنے لگے۔ پھر بھی اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ پھر لوہے کے ایک موٹے سے ڈنڈے کے ساتھ بند دروازے کو توڑ کر کھولا گیا۔ دروازہ کھلتے ہی اندر سے اِس قدر بھیانک بدبو آئی کہ سب نے ناک پر ہاتھ رکھ کر دُوسری طرف مُنہ پھیر لیا۔ بندرابن نے فوراً ہی بدبو کے جھونکے سے سنبھل کر اندر جھانک کر دیکھا۔

پلنگ خالی پڑا تھا اور ماں زمین پر پڑی تھی۔ تمام کمرے میں ہیضے کے بھیانک حملے کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ جب تک اُس میں اُٹھنے کی طاقت رہی، اُس وقت تک تو وہ اُٹھ کر باہر آتی رہی بالآخر کمزور اور نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑی اور پھر نہ اُٹھ سکی۔

وہ زندگی میں کسی کو تھوڑی سی تکلیف بھی نہ دینا چاہتی تھی۔ اِس لئے رات کو آخری دم تک بھی گھر کے لوگوں کو جگانے میں اُسے پس و پیش رہا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ رات بھر اُس پر کیسی گزری ہوگی۔ ماں کی اس طرح سے اچانک دردناک موت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر برداشت کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ بندرابن بھی برداشت نہ کر سکا۔ تاہم اُس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ایک بار دروازے کی چوکھٹ کو زور سے پکڑ لیا، لیکن اسی وقت بیہوش ہو کر ماں کے پاؤں میں گر پڑا۔ لوگ اُسے اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب اُسے ہوش آیا تو دیکھا، کہ چرن اُس کے سرہانے بیٹھا رو رہا ہے۔ بندرابن اُٹھ بیٹھا اور چرن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ماں کے پاؤں کے پاس خاموش بیٹھ گیا"۔

جو آدمی ڈاکٹر کو بلانے گیا تھا اُس نے واپس آکر جواب دیا کہ ڈاکٹر نہیں ملا۔ کہیں باہر گیا ہے اور آج تمام دِن اُس کے آنے کی اُمید نہیں۔ بندرابن کی ماں کی قوت گویائی سلب ہوگئی تھی۔ لیکن آنکھوں میں ابھی تک طاقتِ دید موجود تھی۔ بیٹے اور پوتے کو اپنے پاس دیکھ کر اُس کی بے نور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہونٹوں نے بار بار کانپ کر نوکرانیوں وغیرہ سب کو دُعا دی۔ گو کوئی اسکے الفاظ کو سُن نہ سکا لیکن اس کا محبت بھرا پیغام سب کے دلوں تک پہنچ گیا۔

اسے تُلسی کے پودے کے پاس کپڑا بچھا کر لٹا دیا گیا اور تھوڑی دیر تک تُلسی کے پودے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہنے کے بعد اُسکی بے نور اور آنسوؤں سے لبریز آنکھیں دُنیا کی بے ثباتی کو دیکھتی ہوئیں کبھی نہ ٹوٹنے والی گہری نیند میں محو ہوگئیں ؛

اِس کے بعد بندرابن نے یہ چھ دن اور چھ راتیں صرف اِس لئے گذاریں کہ یہ سب باتیں ایشور کے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ اگر بندرابن کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تو ایک منٹ بھی زندہ نہ رہتا۔ لیکن چرن نہ تو اب کھیلتا تھا اور نہ کسی سے بولتا ہی تھا۔ بندرابن نے اُسے طرح طرح کے قیمتی کھلونے خرید دیئے۔ کئی طرح کی گاڑیاں، جہاز اور جانوروں کی تصویریں لے دیں جن کو لے کر وہ اس سے پہلے دِن رات مست رہتا تھا۔ لیکن اب دل بہلاوے کی یہ سب چیزیں گھر کے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھیں، اور وہ انہیں چھُوتا بھی نہیں تھا ؛

اُس مصیبت کے دِن اس معصوم بچے کی طرف کسی کا دھیان نہ گیا۔ جس وقت لوگ اُس کی دادی کو سفید چادر سے ڈھانپ کر ارتھی پر رکھ کر زور زور سے ہری نام کا ورد کرتے ہوئے شمشان بھومی میں لے جانے لگے، اُس وقت وہ پاس ہی کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے دِل میں ہر وقت یہی سوچا کرتا کہ دادی مجھے بھی اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گئی۔ بیل گاڑی کے بدلے آدمیوں کے کندھے پر کیوں سوار ہوئی، اِس طرح سر سے پاؤں تک سفید کپڑے

میں ملبوس ہوکر چپ چاپ کیوں چلی گئی اور اب تک واپس کیوں نہیں آئی۔ بابوجی راتنا رو کیوں رہے ہیں؟" یہ سب باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اُس کی اس گھبراہٹ، بے چینی اور دُکھ درد سے مرجھائی ہوئی صورت نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ لیکن اپنے باپ نگاہوں کو وہ اپنی طرف نہ کھینچ سکا۔ ماں کی اس اچانک وفات نے بندرابن کو اس طرح بدحواس کر دیا تھا کہ کسی کی بات کی طرف دھیان دینے، یا کسی کی بات پر ہوشمندانہ غور کرنے کی اُس میں طاقت ہی نہ رہی تھی۔ اُس کی اُداس اور آنسو بھری نگاہوں کے سامنے ہر چیز دُھندلا گئی تھی۔ کچھ بھی صاف دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اس دَوران میں کچھ دنوں سے شام کے وقت اُس کے اُستاد بابو دُرگا داس اُس کے پاس آ بیٹھتے تھے، اُسے تسلّی تشفّی دیتے تھے اور سمجھاتے بجھاتے رہتے تھے۔ لیکن بندرابن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔ اور وہ ہر وقت اِسی خیال میں مستغرق رہتا تھا کہ سمندر کے بے پایاں پانی میں اُس کا شکستہ جہاز بھنور میں اس بُری طرح پھنس گیا ہے کہ ہزار کوشش اور انتہائی جدوجہد کے باوجود اس کے ساحل تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں رہی۔ پھر جب اس نے بہرحال ڈوبنا ہی ہے تو اس کے لئے رونے سے کیا حاصل؟ اگر ایسا نہ ہوتا تو میری عورت آغازِ شباب میں ہی جیون کو چھوڑ کر نہ مر جاتی۔ اس مصیبت کے وقت شاید کسم کو ہی رحم آ جاتا اور وہ اس طرح سنگدل ہوکر جیون کو اپنے پاس رکھنے سے انکار نہ کر دیتی۔

پھر سب سے بڑھ کر میری ماں، ایسی ماں کب کسی کو ملتی ہے وہ بھی گویا اپنی خوشی سے رخصت ہو گئی اور چلتے وقت ایک بات بھی نہیں کہہ گئی۔

اس طرح جب اس کی بے دلی اور بدحواسی ہر ایک بات سے ظاہر ہونے لگی تو ایک دن گھر کی داسی نے روتے روتے شکایت کے انداز میں کہا۔

"بابو جی، کیا اب بچے سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے؟ آپ اسے اپنے پاس نہیں بلاتے، پیار بھی نہیں کرتے، ذرا اس کی حالت تو دیکھو کیسی ابتر ہو گئی ہے"۔

داسی کی یہ بات بندرابن پہ لاٹھی کی مانند پڑی جیسے اس نے اُس کی گہری نیند کی مدہوشی کو توڑ دیا ہو۔ حیران ہو کر پوچھا ——

"کیوں چرن کو کیا ہوا ہے؟"

داسی نے مضطرب ہو کر جواب دیا "ایشور نہ کرے اُس کو کچھ ہو۔ آؤ بیٹا چرن! یہاں آؤ۔ دیکھو بابو جی بلا رہے ہیں"۔

چرن پژمردہ چہرہ لئے اور رونی صورت بنائے آہستہ آہستہ آڑ میں سے نکل کر سامنے آیا۔

آتے ہی بندرابن نے جھپٹ کر اُسے اپنی چھاتی سے لگا لیا اور یکایک رو کر کہا "کیوں چرن! کیا تم بھی چلے جاؤ گے بیٹا؟"

داسی نے بگڑ کر کہا "ہیں! بابو جی، آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

بندرابن نے نادم ہو کر آنکھیں پونچھیں اور بہت دنوں کے بعد کچھ ہنسنے کی کوشش کی۔

جب داسی اپنے کام پر چلی گئی تو چرن نے آہستہ سے کہا ـــــ "بابو جی، میں ماں کے پاس جاؤنگا"۔

بندرابن کو یہ معلوم کر کے بڑا اطمینان ہوا کہ یہ دادی کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ اُس نے بڑے پیار سے کہا ــــ "بیٹا تمہاری ماں تو اب وہاں نہیں رہتی"۔

"کب آئیگی؟"

"یہ تو معلوم نہیں بیٹا، اچھا آج ہی میں آدمی بھیج کر معلوم کرتا ہوں"۔

چرن بہت خوش ہوا۔ بندرابن نے بہت دیر تک غور کرنے کے بعد اسی دن کیشب کو خط لکھ دیا اور اپنے گاؤں کی ابتر حالت لکھنے کے بعد اس سے درخواست کی کہ وہ چرن کو آ کر لے جائے۔

ماں کی کریا کرم کے اب صرف دو دن باقی تھے۔ صبح کو بندرابن چنڈی منڈپ کے کام میں لگا ہوا تھا جب یہ خبر ملی، کہ اندر چرن کو قے اور دست آ رہے ہیں۔ وہ دوڑتا ہوا اندر گیا، دیکھا کہ چرن بے جان لاش کی مانند بستر پر پڑا ہے اور اُس کے دستوں کی شکل میں تباہی کے بھیانک آثار دکھائی دے رہے ہیں۔

بندرابن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور اُس کے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے۔ وہ اپنے لڑکے کی چارپائی کے نیچے بے جان بُت کی مانند یہ کہتا ہوا گر پڑا کہ فوراً جا کر کیشب کو خبر کرو۔

اس کے قریباً ایک گھنٹہ بعد بندرابن گوپال ڈاکٹر کی بیٹھک میں

اُس کے دونوں پاؤں پکڑے کہہ رہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب، مہربانی کر کے اس بچے کی جان بچائیے۔ میں نے خواہ کتنے گناہ کیے ہوں، لیکن یہ بیچارا بے گناہ ہے۔ بالکل معصوم بچہ ہے ڈاکٹر صاحب۔ ایک دفعہ چل کر دیکھ لیجیے۔ اُس کی تکلیف دیکھ کر آپ کو بھی رحم آ جائے گا۔"

گوپال نے مُنہ بنا کر جواب دیا۔ "کیا اِس وقت بھول گئے تھے، کہ تارنی مکھ اوپادھیائے انہیں ڈاکٹر صاحب کے ماموں ہیں؟ شودر ہو کر روپے کی طاقت میں براہمن کی بے عزتی! اُس وقت خیال نہیں آیا کہ انہیں کے پاؤں پر سر رکھنا پڑے گا؟"

بندرابن نے روتے ہوئے کہا۔ "آپ براہمن ہیں۔ میں آپ کے پاؤں چھو کر کہتا ہوں کہ تارنی مہاراج کی میں نے کوئی بے عزتی نہیں کی۔ میں نے جو انہیں روکا تھا، وہ سارے گاؤں کی بھلائی کو مدنظر رکھ کر ہی روکا تھا۔ آپ ڈاکٹر ہیں، آپ جانتے ہیں کہ اس وقت تالاب کا پانی جسے ہم سب پینے اور دیگر ضروریات میں استعمال کرتے ہیں خراب کرنا کتنا ظلم ہے۔"

گوپال نے پاؤں چھڑا کر جواب دیا ——— "ہاں، ہاں، ظلم کیوں نہیں ہے۔ ماموں جی نے بہت بڑا ظلم کر دیا۔ میں ڈاکٹر ہوں، میں نہیں جانتا، تم ڈنڈ کا داس سے انگریزی کے چار حرف پڑھ کر مجھے عقل سکھانے آئے ہو! اتنے بڑے تالاب میں دو کپڑے دھونے سے پانی خراب ہو جاتا ہے ہم گویا بدھو ہیں، ہمیں کوئی عقل نہیں اور تم ہو

بڑی عقل والے، یہ سب روپیوں کی گرمی ہے شودر کے پاس جب دولت آجاتی ہے، تو اُس کا دماغ ہی بگڑ جاتا ہے۔ ورنہ کیا تم براہمن کے لئے تالاب کا گھاٹ بند کر دیتے؟ اتنا غرور! اتنا تکبر! جاؤ، جاؤ۔ میں تمہارے مکان میں پاؤں بھی نہیں رکھ سکتا"۔

لڑکے کی تکلیف کا خیال کر کے بندرابن کا کلیجہ پھٹ رہا تھا۔ وہ پھر ڈاکٹر کے پاؤں پکڑ کر منت سماجت کرنے لگا۔

"ڈاکٹر صاحب، میں اپنا گناہ تسلیم کرتا ہوں، آپ کے چرنوں کی خاک پیشانی پر لگاتا ہوں، ڈاکٹر صاحب ایک بار چلئے۔ لڑکے کی جان بچا دیجئے۔ میں سو روپیہ دونگا، دو سو دونگا، پانچ سو دونگا، آپ جو کچھ کہیں گے وہی دونگا۔ چلئے اور دوا دیجئے"۔

پانچ سو روپیہ! مایا نے اپنا اثر دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب نرم پڑ گئے۔ تھیر کی دھکتی ہوئی آگ پر پانی پڑ گیا۔ بولے "بھیا تم سب جانتے ہو اس لئے صاف صاف کہتا ہوں ——— تمہارے گھر جاؤں گا تو برادری سے خارج کر دیا جاؤنگا۔ ابھی ابھی وہ لوگ آئے تھے! نہیں بھائی، تارنی ماموں اجازت نہیں دینگے۔ گاؤں کے سب براہمن میرے ساتھ ملنا جلنا اور رشتہ ناطہ بند کر دینگے۔ اگرچہ میں ڈاکٹر ہوں اور مجھے اِن سب باتوں کو نظر انداز کر کے مریض کی دیکھ بھال کرنی چاہیئے لیکن میں تمام برادری سے تو نہیں بگاڑ سکتا۔ اگر ایسا کروں، تو پھر لڑکے لڑکیوں کی بیاہ شادی کیسے کرونگا؟ کل کو اگر میری

ماں مرجائے تو اُس کی تجہیز و تکفین کیسے ہو گی۔ تمہیں لے کر تو میرا کام نہ چلے گا۔ تم ایک کام کرو، گھوشال مہاشے کو لے کر ماموں جی کے پاس جاؤ، وہ بوڑھے آدمی ہیں، اُن کی بات سب مانتے ہیں۔ ذرا اُن کے سامنے ہاتھ جوڑ دو! بس وہ ایک دفعہ کہدیں، مَیں چلنے کے لئے تیار ہوں۔ دیکھو مَیں ابھی ابھی نئی اَور بہت بڑھیا دوا لایا ہوں۔ دیتے ہی لڑکا تندرست ہو جائیگا"۔

بندرابن مضطرب نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ گوپال نے ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا "نہیں نہیں، تم گھبراؤ نہیں۔ جاؤ، دیر نہ کرو —— اَور دیکھو بھیّا! وہاں روپوں کا ذکر نہ کرنا۔ جاؤ، جلدی کرو"۔

بندرابن روتا ہوا دَوڑا اور تارنی کے پاؤں میں جا پڑا۔ تارنی نے لات مار کر اپنا پاؤں چھڑاتے ہوئے ہنس کر کہا "میں بغیر پُوجا پاٹھ کئے پانی نہیں پیتا۔ کیوں، میرا کہنا سچ ہوا نا۔ لے بس ہوئے یا نہیں؟"

بندرابن کے رونے کی آواز سُن کر تارنی کی بیوی باہر نکلی اور خود روپڑی۔ پتی سے بولی —— "چھی چھی! ایسا ظُلم نہ کرو یہ پاپ ہے۔ جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ ہائے چھوٹا سا معصوم بچّہ ہے۔ گوپال سے کہدو کہ وہ جا کر دوا دیدے"۔

تارانی نے چلّا کر کہا —— "ٹھیر حرامزادی، مردوں کے درمیان نہ بول"۔

اُس نے سٹپٹا کر بندرابن سے کہا ــــــ "جاؤ بیٹا، مَیں دُعا دیتی ہُوں، تمہارا لڑکا اچھا ہو جائیگا۔" یہ کہکر وہ آنسو پونچھتی ہوئی اندر چلی گئی +

بندرابن بہت گڑگڑا کر منت سماجت کرنے لگا۔ تارنی کے ہاتھ پکڑے، پاؤں پر سر رکھا، مگر نہیں، پھر بھی نہیں۔ اسی وقت شاستروں کے ٹھیکیدار گھوشال مہاشے ساتھ کے مکان سے کھڑاؤں سے کھٹ کھٹ کرتے آ پہنچے۔ سب ماجرا سُن کر خوش ہو کر بولے ــــــ

"شاستروں میں لکھا ہے کہ اگر کتے کو ٹکڑا ڈالا جائے تو وُہ سر پر چڑھنے لگتا ہے۔ اگر چھوٹے آدمیوں کو سزا نہ دی جائے تو قوم اور دھرم ہی تباہ ہو جائیں۔ اسی لئے تو کلجگ میں دھرم، کرم اور براہمنوں کا ادب اور احترام نہیں رہا۔ کیوں تارنی جی، اُس دن تم کو کہا تھا نا کہ بندرابن بہت بڑھ چلا ہے! جب اُس نے میری بات نہیں مانی تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اس کی تقدیر برگشتہ ہو گئی ہے۔ اب یہ نہیں بچ سکتا۔ دیکھا تارنی، ہاتھوں ہاتھ پھل مل گیا نا؟"

تارنی نے دِل ہی دل میں خوش ہو کر جواب دیا ــــــ "اور میں، مَیں نے بھی تو اُس دن تالاب کے کنارے کھڑے ہو کر ہاتھ اُٹھا کر بددُعا دی تھی کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائیگا۔ چچا میں پُوجا پاٹھ کئے بغیر پانی نہیں پیتا۔ اب بھی چاند اور سُورج ملتے ہیں۔ سمندر میں اب بھی جوار بھاٹا آتا ہے۔" یہ کہکر تارنی اکلوتے بیٹے

کے غم میں حواس باختہ ہوئے بدنصیب باپ کی ذہنی اذیت کو بڑے تکبر اور غرور سے دیکھ کر سکھ کا احساس کرنے لگا۔ جس طرح کوئی شکاری اپنے تیر سے گھائل ہو کر زمین پر تڑپتے ہوئے شکار کو دیکھ کر اپنے بے خطا نشانے کا مزا لے رہا ہو۔

بندرابن اُٹھ کھڑا ہوا۔ بچے کی جان بچانے کے لئے وہ بہت منت سماجت کر چکا تھا۔ بہت ہاتھ پاؤں جوڑ چکا تھا۔ اب اُس نے ایک بات بھی نہیں کہی۔ زمانے بھر کی جہالت اور نام نہاد اونچی جاتیوں کے جھوٹے غرور اور ناقابلِ برداشت ظلم نے اُس کے بیٹے کی جدائی کی تکلیف کو فراموش کر کے اُس کے دل میں دبی ہوئی خودداری کو بیدار کر دیا۔ اِن کی خرافات کے ختم ہونے سے پہلے ہی چپ چاپ وہاں سے چلا آیا۔ راستے میں وہ سوچنے لگا کہ جو کام اس نے گاؤں بھر کی بہتری اور بہبود کو مدنظر رکھ کر کیا تھا اُس کی پاداش میں دھرم کے یہ ٹھیکیدار برہمن کس طرح اپنے گائتری کے پاٹھ اور پوجا کے اثر سے اس کو اولاد سے محروم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

دس بجے کے قریب وہ بالکل مایوس اور لاچار ہو کر اپنے جان کنی میں مبتلا بیٹے کی چارپائی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ کیشب اُس وقت تک چلا کر چرن کے ہاتھ پاؤں سینک رہا تھا۔ بندرابن کے منہ سے سب حال سن کر اُس کے منہ سے نکلا ——— اُف! مکان کی دیواروں، چھتوں اور زمین کے ذرے ذرے سے بھی دھرم

اور مذہب کے نام پر کئے گئے اس ظلم کی داستان سُن کر نکلا۔ "اُف!"
کیشب اُٹھ کھڑا ہُوا اور ایک دوپٹہ کندھے پر ڈال کر بولا۔
"میں کلکتے جاتا ہوں۔ اگر ڈاکٹر مِل گیا تو شام تک آجاؤنگا۔ اور اگر نہ ملا تو یہ میری آخر آمد سمجھو۔ اُف! یہی براہمن کسی دن دُنیا بھر میں قابل پرستش سمجھے جاتے تھے۔ افسوس یہ حالت دیکھ کر کلیجہ مُنہ کو آتا ہے! اگر بن سکے تو لڑکے کو بچائے رکھنا بھیّا۔" یہ کہکر کیشب چلا گیا۔
کیشب کے چلے جانے کے بعد چرن نے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر زور زور سے رونا شروع کیا۔ "بابوجی، میں ماں کے پاس جاؤنگا۔ وہ فطرتاً بڑا حلیم الطبع لڑکا تھا۔ کبھی کسی بات کے لئے ضد کرنا جانتا ہی نہ تھا۔ لیکن آج اُسے بہلانا مشکل ہو گیا۔ جُوں جُوں دن ڈھلنے لگا، تکلیف متواتر بڑھتی ہی گئی۔ پیاس کی شدت اور ماں کے پاس جانے کے لئے پاگلوں کی مانند چیخ پُکار سے اُس نے سب کو پریشان کر دیا۔ اُس کا یہ رونا تیسرے پہر بند ہُوا جب اُس کے ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے۔ اور گلا خشک ہو گیا۔
ماہ چیت کا چھوٹا دِن ختم ہونے کے قریب تھا جب کیشب ڈاکٹر کو لئے ہوئے گھر میں داخل ہُوا۔ ڈاکٹر اُس کا مہربان اور خاص دوست تھا۔ اندر پاؤں رکھتے ہی چرن کی طرف ایک نظر دیکھ کر وہ سنجیدہ صُورت بنا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ کیشب نے ڈرتے ڈرتے اُس کے مُنہ کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا،

ہُوا تھا۔ لیکن آج وہ کیا دُعا مانگنے آیا ہے ؟ زمین پر لیٹ کر اس نے کہنا شروع کیا:۔ ساتھ کی کوٹھڑی میں میرا چرن دم توڑ رہا ہے۔ بھگوان میں فریاد لے کر نہیں آیا لیکن محبّت پدری کا جذبہ بھی تو تمھی نے دیا ہے، پھر باپ کی آنکھوں کے سامنے علاج معالجے کے بغیر اس کے چشم و چراغ کی اس طرح ہتیا کیوں ہونے دی۔ باپ کے دل کی تھوڑی بہت تسکین کا سامان بھی کیوں باقی نہیں چھوڑا ؟“ پھر اُسے پُرانا واقعہ یاد آ گیا، جسے عام طور پر لوگ ایک دوسرے کو سناتے رہتے ہیں کہ ایشور جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ اُس نے دِل ہی دِل میں سوچا ”جو لوگ تم پر یقین نہیں کرتے، اُن کے متعلق تو وہی جانیں، لیکن مجھے تو پُورا اعتماد ہے کہ تمہاری مرضی کے بغیر درخت کا ایک پتہ بھی زمین پر نہیں گر سکتا۔ اِس لئے اے دُنیا کے مالک! آج میں صرف یہی دُعا کرتا ہوں کہ اِس چھوٹی سی معصوم ہستی کے مرنے سے دُنیا میں کس شخص کا کیا بھلا ہوگا یہ مجھے سمجھا دو ؟“ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ ایشور کے سب کام انسان کی محدود عقل سے بالا ہیں پھر بھی وہ اپنی ساری فہم اور فراست خرچ کر کے یہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ چرن کیوں پیدا ہُوا، وہ کیوں اتنا بڑا ہُوا، اور اُسے ایک بھی دُنیاوی کام سرانجام دینے سے پہلے ہی واپس کیوں بُلا لیا گیا ؟

تھوڑی دیر بعد جب رات کی آرتی وغیرہ کے لئے پُجاری ہی اندر آیا تو اُس کے پاؤں کی آہٹ سے بندرابن کا سلسلۂ خیالات

لیکن بندرابن کی طرف دیکھ کر خاموش رہ گیا۔

یہ دیکھ کر بندرابن نے بڑے سکون اور تحمّل سے کہا۔ "ہاں میں، ہی اِس کا بدنصیب باپ ہوں لیکن جھجکنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں بے فکر ہو کر کہیں۔ ڈاکٹر صاحب، جو باپ اپنے اکلوتے بیٹے کو بغیر کوئی دوا دیئے گود میں لے کر بیٹھا رہ سکتا ہے۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا ہے"۔

باپ کا اتنا حوصلہ اور مضبوط دِل دیکھ کر ڈاکٹر حیران رہ گیا۔ تاہم ڈاکٹر ہونے کے باوجود وہ انسان تھا۔ جو کچھ کہنا چاہتا تھا، اُس کے سامنے کہنے کی ہمت نہ پڑی۔ اُس نے سر جھکا لیا۔ بندرابن مطلب سمجھ کر بولا۔ "کیشب میں جاتا ہوں۔ بغل میں ٹھاکر جی والی کوٹھڑی ہے۔ ضرورت ہو تو بُلا لینا۔ ہاں ایک بات اور بھی ہے اِس کے مرنے سے پہلے ایک دفعہ مجھے خبر دیدینا۔ تاکہ میں ایک دفعہ اور اسے جی بھر کر دیکھ لوں"۔

جس وقت بندرابن ٹھاکر جی والی کوٹھڑی میں داخل ہوا، تاریکی پھیل رہی تھی۔ اُس نے دائیں جانب دیکھا جہاں چند دن پہلے اُس کی ماں بیٹھ کر پاٹھ کیا کرتی تھی اچانک اُسے اُس دِن کا واقعہ یاد آگیا، جس دِن وہ کُنج کا پیغام آنے پر اُس کے گھر گیا تھا، جس دن ماں کُسُم کے ہاتھوں میں کڑے پہنا کر اور دُعا دے کر گھر آئی تھی۔ اور وہ خود خوشی سے پاگل ہو کر سیّچے دِل سے ٹھاکر جی کے چرنوں میں اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لئے چُپ چاپ اِس کوٹھڑی میں داخل

ٹوٹ گیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا، اُس کا غمگین دل بہت حد تک تسکین پا چکا تھا۔ اگرچہ آسمان پر ابھی چاند طلوع نہیں ہُوا تھا تو بھی شفاف نیلے اور بے شمار ستاروں سے جگمگاتے ہوئے آسمان پر شفق کی نُورانی کرنوں کی مدھم روشنی اُس کی آمد آمد کا پیغام دے رہی تھی، دُور کہیں جنگل میں چکوا چکوی منتظر نگاہوں سے اُس کا استقبال کرنے کے لئے بیٹھے نغمے الاپ رہے تھے۔ اور آئندہ زندگی کے مبہم سنہری خواب دیکھ رہے تھے۔

باہر آنے پر آنگن میں ایک طرف دروازے کی آڑ میں ایک افسردہ اور غمگین عورت کو دیکھ کر بندرابن کو بڑی حیرت ہوئی! اسوقت اندھیرے میں یہاں کون بیٹھا تھا؟

بندرابن نے پاس پہنچ کر ایک ہی نظر میں جان لیا، کہ یہ کُسُم ہے اس کی زبان پر بیساختہ آیا کُسُم! کیا تُم میری بربادی کا منظر دیکھنے آئی ہو؟" لیکن وہ کچھ سوچ کر رُک گیا۔

ابھی ابھی وہ اپنے چرن کی رُوح کی بھلائی کے لئے وہ اپنا سب سُکھ دُکھ اور مان ایمان تیاگ کر آیا تھا۔ پھر کُسُم کے دِل کو دُکھا کر وُہ اپنے بستر مرگ پر پڑے ہوئے بیٹے کی نجات کا راستہ کیوں بند کرے اس خیال سے وہ چُپ ہو رہا اور روندھے ہوئے گلے سے کہا۔

"اگر تم ذرا اور پہلے آجاتیں تو چرن کی بہت بڑی آرزو پوری ہو جاتی۔ آج دِن بھر اُس نے جتنی تکلیف اُٹھائی ہے، اتنا ہی وہ تمہارے پاس جانے

کے لئے رو رہا ہے۔ آہ، اُسے تم سے کتنی محبّت تھی؟ لیکن اب تو اُسے ہوش ہی نہیں۔ آؤ میرے ساتھ"

کسُم چُپ چاپ پتی کے پیچھے چل پڑی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر بندرابن نے ہاتھ سے چرن کے بیہوش اور پژمُردہ چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ دیکھو! تمہارا چرن پڑا ہے۔ جاؤ اُسے لے لو۔ کیشب! یہ چرن کی ماں ہے" یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہُوا دُوسری طرف چلا گیا۔

دُوسرے دِن صُبح جب اَور کسی کو کسُم کے نزدیک جا کر چرن کی لاش مانگنے کی ہمّت نہ پڑی، یہاں تک کہ کُنج ناتھ بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا، تو بندرابن نے آہستہ سے پاس جا کر کہا — "کسُم اب چرن کی لاش کو پکڑے رہنے سے کیا فائدہ؟ چھوڑ دو، وہ لوگ لے جائیں"۔

کسُم نے سر اُٹھا کر کہا — "اُن لوگوں سے آنے کے لئے کہہ دو، مَیں خود ہی اُٹھائے دیتی ہوں"۔

اس کے بعد کسُم نے ایک بار دونوں ہاتھوں سے چرن کی لاش کو اپنے سینے سے کھینچ کر آخری بار اُس کا منہ چُوما اور اپنے عزیز از جان چرن کو شمشان بھیج دیا۔ اُسے دیکھ کر بندرابن بھی دِل ہی دِل میں ڈر گیا۔

پندرھواں باب

چمن کے چھوٹے سے جسم کو جل کر راکھ ہوتے دیر نہیں لگی۔ کیشب اس کے ننھے جسم کو دہکتی ہوئی آگ میں جلتے دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کر چلّا اُٹھا: —— "یہ سب جھوٹ ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ ایشور جو کچھ کرتا ہے، بھلائی کے لئے ہی کرتا ہے۔ وہ لوگ شیطان ہیں! حرامزادے ہیں! بدمعاش ہیں!!!"

بندرابن پاس ہی گھٹنوں میں سر چھپائے خاموش بیٹھا تھا۔ اُس نے اپنی تھکی ہوئی سُرخ انگارے کی سی آنکھیں اوپر اُٹھا کر کہا ——

"کیشب! شمشان بھومی میں غصّہ نہیں کرنا چاہیئے"

جواب میں کیشب صرف "اُف" کہہ کر خاموش ہو گیا۔

شمشان سے لوٹ کر آتے وقت راستے میں ایک جگہ پیڑ کے نیچے بازیگروں کے دو تین بچے کھیل رہے تھے۔ بندرابن کھڑا ہو کر ایک ٹک اُن کی طرف دیکھنے لگا۔ جب بچے کھیلتے کھیلتے وہاں سے

بھاگ کر دوسرے درخت کے نیچے چلے گئے تو بندرابن نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر اپنے دوست کے مُنہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ــــــ "جو سوال کل سے دِن رات میرے دِل کو بے چین کر رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا جواب مجھے مِل گیا ہے۔ دُنیا میں اکلوتے بیٹے کے مرنے کا بھی کوئی مقصد ہے"۔

کیشب اب تک پاگلوں کی مانند بک جھک کر رہا تھا۔ اچانک یہ انوکھا اصول سُن کر حیران رہ گیا۔

"تُمہارے کوئی اولاد نہیں۔ اِس لئے تم ہزار کوشش کرنے پر بھی میرے اندر سُلگتی ہوئی آگ کو سمجھ نہیں سکتے۔ سمجھنا ہے بھی کٹھن۔ یہ آگ ایسی ہے، جس کی کوئی اپنے بڑے سے بڑے دُشمن کے لئے بھی خواہش نہیں کرتا۔ لیکن کیشب، اِس کی بھی کچھ قیمت ہے اور اب مجھے معلوم ہُوا ہے کہ اِس کی کتنی بڑی قیمت ہے۔ اِس لئے معلوم ہوتا ہے کہ بھگوان نے ہی اِس کی قیمت مقرر کی ہے"۔

کیشب خاموش اُس کے مُنہ کی جانب دیکھتا رہا۔ بندرابن پھر کہنے لگا "ان بچوں کو دیکھ کر میرے دِل کی دھکتی ہوئی آگ ٹھنڈی ہوتی جا رہی ہے ــــــ آج میں تمام بچوں کی شکل میں چرن کی شکل دیکھ رہا ہوں۔ اب مجھے سب بچوں کو بھینچ کر کلیجے سے لگا لینے کی خواہش ہوتی ہے۔ جب تک چرن زندہ تھا، اُس وقت تو کبھی ایک دن بھی ایسی خواہش نہیں ہوئی تھی"۔

کیشب چُپ چاپ سُنتا ہُوا سِر جھکا کر اُس کے ساتھ چلتا رہا۔

"پاٹھشالہ کا طالب علم بن مالی اور اُس کا چھوٹا بھائی دونوں کھانا اور پانی لئے جا رہے تھے۔ بندرابن نے پکار کر پُوچھا —— "بن مالی کہاں جاتے ہو؟"

بن مالی نے جواب دیا —— "پنڈت جی، بابو جی کو کھانا دینے کے لئے کھیت پر جا رہا ہوں۔"

"ذرا تم دونوں بھائی میرے پاس تو آؤ۔" کہہ کر بندرابن نے دونو ہاتھ بڑھا کر دونو بچّوں کو ایک ساتھ کھینچ کر گلے سے لگا لیا، اور بڑی محبّت سے اُن بچّوں کے مُنہ کی طرف دیکھ کر کہا —— "آہا، بن مالی، دِل میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ کیشب، کل میں بہت ڈر رہا تھا کہ واقعی مَیں نے چرن کو کھو دیا ہے۔ لیکن اب ڈر نہیں رہا۔ اب وہ کھونے کا نہیں۔ اِن ہی بچّوں میں میرا چرن ملا ہُوا ہے اور اِن میں سے ہی مَیں ایک دِن اُسے پھر ڈھونڈ لونگا۔"

کیشب نے ڈرتے ڈرتے اِدھر اُدھر دیکھ کر کہا ——

"بندرابن، اِن بچّوں کو چھوڑ دو۔ اگر اِن کی ماں یا کسی اور رشتہ دار نے دیکھ لیا، تو بہت ناراض ہوگا۔"

"اوہ! یہ تو ٹھیک ہے۔ مَیں چرن کو جلا کر جو آ رہا ہوں۔" یہ کہکر بندرابن اُنہیں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

بندرابن کے اِس سلوک سے بن مالی شرم سے سمٹ گیا تھا۔

چھوٹنے پر بھائی کے ساتھ آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔
بندرابن اُسی جگہ راستے میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر اور دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا "اے ایشور! تم نے مجھ سے چرن کو چھین لیا، لیکن میری آنکھوں سے یہ نگاہ نہ چھین لینا۔ آج جس نظر سے مَیں نے ان بچّوں کو دیکھا ہے، اے پربھو! مجھے یہ بردان دو کہ مَیں ہمیشہ اسی طرح سب بچّوں کی شکل میں اپنے چرن کی شکل کو دیکھ سکوں، اسی طرح یہ دونوں ہاتھ اُنہیں گلے سے لگانے کے لئے ہمیشہ آگے بڑھا کریں۔ کیشب، تم شمشان میں کھڑے ہو کر جن لوگوں کو گالیاں دیتے تھے۔ وہ شاید تمام بدمعاش نہیں ہیں"۔
کیشب نے ہاتھ پکڑ کر کہا —— "چلو، گھر چلو"۔
بندرابن "چلو" کہہ کر آہستہ آہستہ اُٹھ کھڑا ہُوا اور دو چار قدم آگے بڑھ کر بولا "بھائی، آج میرے پاگل پن کے لئے معاف کرنا۔ کیشب، دِل پر بہت بھاری بوجھ پڑا ہُوا تھا، مَیں حیران تھا کہ مجھے یہ سزا کیوں مِل رہی ہے؟ مَیں نے اپنے ہوش میں کوئی گائے ہتیا، یا براہمن ہتیا نہیں کی تھی، جس کے لئے بھگوان مجھے اتنی کڑی سزا دیتے۔ میرا۔۔۔۔۔"
بات ختم ہونے سے پیشتر ہی کیشب گرج کر بولا "اُس حرامزادے بُوڑھے گھوشال سے پُوچھو۔ وہ تو کہے گا کہ یہ سب سزا اُس کے پُوجا پاٹھ کا اثر ہے، اور دُوسرے پاجی بدمعاش سے پُوچھو تو وہ کہیگا کہ پچھلے

جنم کے گُناہ کا پھل ہے۔ اُف! یہی اِس مُلک کے براہمن ہیں، یہی ہماری ہندو قوم اَور ہندو دھرم کے واحد ٹھیکیدار اَور محافظ ہیں"۔

بندرابن نے بڑی ملائمت سے کہا۔ "بھائی کیشب! کالے سانپ کی دُم پر لاٹھی مارنے سے کوئی فایدہ نہیں۔ سڑے ہوئے دہی کی بدبُو کا الزام دُودھ کے سر ڈالنا غلطی ہے۔ بلکہ دیکھنا تو یہ چاہیئے کہ یہ جہالت براہمنوں کو بھی کہاں تک تباہی اَور بربادی کے ہیبتناک گڑھے کی جانب کھینچ لے گئی ہے"۔

کیشب گذشتہ عبرتناک اَور رنجدہ واقعات کو یاد کرکے غُصّے اَور افسوس کے مارے اندر ہی اندر جل بھُن رہا تھا۔ جو مُنہ میں آیا کہنے لگا۔ "پھر اتنی کڑی سزا کیوں؟"

بندرابن نے جواب دیا۔ "یہ سزا تو نہیں ہے، کیشب یہی بات تو میں تُم سے کہہ رہا تھا کہ جب مجھے اپنے کسی گُناہ کی یاد ہی نہیں آتی تو میں اسے گُناہ کی سزا سمجھ کر اپنے آپ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہتا۔ اِس زندگی میں تو مجھے یاد نہیں آتا کہ مَیں نے کوئی گُناہ کیا ہو۔ پھر پچھلے جنم کے سر پر بھی فضول الزام لگانا پاک اَور پوتر رُوح کی بے عزّتی کرنا ہے۔ اِس لئے نہ تو یہ میرے گُناہ کی سزا ہے اور نہ کسی قصور کا نتیجہ۔ یہ میرے گوردھن کی ابدی کے یوگیہ بننے کی قسمت ہے۔ کوئی بڑی چیز بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہوتی۔ کیشب آج چرن کی موت سے جتنا رُوحانیت کا سبق مجھے ملا ہے ایسا سبق بیٹے کے غم کی قربانی کے علاوہ اور کسی

قیمت پر مِل ہی نہیں سکتا۔ اگر مَیں اپنا کلیجہ چیر کر تمہیں دکھا سکتا تو تمہیں دکھا دیتا کہ آج دُنیا میں جتنے بچے ہیں، ان سب کو چرن اپنی جگہ میری گود میں دے گیا ہے۔ تم براہمن ہو، آج مجھے دُعا دو کہ مَیں نے جو کچھ پایا ہے، اسے پھر نہ گنواؤں۔ جو چیز مَیں نے بیٹے کی بیش بہا قربانی دے کر حاصل کی ہے اسے برباد نہ کر بیٹھوں"۔

بندرابن کا گلا بھر آیا۔ دونوں دوست ایک دُوسرے کے سامنے کھڑے ہو کر پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔

اُس دن بندرابن نے صرف ایک لوہے کے نل والا کنواں بنوانے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اب معلوم ہُوا کہ صرف ایک کنواں ہی کافی نہیں ہے۔ گاؤں کے مشرقی حصے میں زیادہ تر غریبوں کی جھونپڑیاں ہیں۔ اِس لئے جب تک اُس حصے میں بھی ایک بڑا کنواں نہ بنے گا، اُس وقت تک نہ تو پانی کی تکلیف دُور ہو گی اور نہ ہیضے کا خوف ہی مٹے گا۔ اِس لئے کیشب کمپنی کے منیجر سے مِل کر یہ رائے لے آیا کہ اگر کافی سرمایہ صرف کیا جائے تو ایسا کنواں بنایا جا سکتا ہے، جس سے نہ صرف اِسی گاؤں کی بلکہ پانچ سات دیگر دیہات کی تکلیف بھی رفع ہو جائے اور خشک سالی میں کھیتوں کی آبیاری میں بھی اُس سے مدد مِل سکے۔

بندرابن خوشی سے سرمایہ خرچ کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اِس لئے شرادھ کے دن اُس نے اپنے بزرگوں کے ترکے کے علاوہ باقی ماندہ تمام جائداد کو رجسٹری کرانے کے لئے کیشب کے ہاتھ میں سونپ کر کہا۔

"کیشب ایسا انتظام کرو جس سے پھر پانی کی خرابی کی وجہ سے میرے چرن کے دوسرے بھائی لقمۂ اجل نہ ہوں اور میری تمام دولت سے بڑھ کر دولت یہ پاٹھشالہ ہے۔ اب جبکہ اس کے چلانے کا بوجھ بھی تم نے اپنے کندھوں پر لے لیا ہے تو مجھے کوئی فکر نہیں رہا۔ اگر پھر کبھی لوٹ کر اس طرف آؤں اور یہ دیکھوں کہ اس پاٹھشالہ کا کم از کم ایک شاگرد صحیح معنی میں انسان بن گیا ہے۔ تو میں اپنے آپ کو حد درجہ خوش نصیب سمجھوں گا اور اُس دن چرن کا دُکھ مجھے بالکل بھول جائیگا۔"

کئی دنوں سے بابو ورگا داس ہر وقت بندرابن کے پاس موجود رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے اُداس ہو کر کہا "بندرابن، مجھے تو انتہائی سوچ بچار کے بعد بھی کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جسے کہہ کر میں تمہیں تسلی اور حوصلہ دے سکوں۔ لیکن دُکھ چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، انسانیت یہی ہے کہ اسے صبر اور تحمل سے برداشت کیا جائے۔ ایشور کا یہ مقصد کبھی نہیں ہو سکتا کہ انسان مجرد رہ کر تارک الدنیا ہو جائے۔"

بندرابن نے سر اُٹھا کر نرمی سے جواب دیا "ماسٹر جی! دُنیا کو چھوڑنے کا تو میرا ابھی خیال نہیں، ایسا کرنا تو ناممکن ہے۔ بچوں کو دیکھے بغیر تو شاید میں ایک دن بھی زندہ نہ رہ سکوں۔ آپ کی مہربانی سے سب لوگ مجھے پنڈت جی کہتے ہیں۔ میں اپنی یہ عزت، توقیر اور احترام کسی طرح بھی ہاتھ سے نہ جانے دُونگا۔ کسی اور جگہ جا کر پھر یہی کام شروع کرونگا۔"

بابو درگا داس نے کہا "لیکن تم نے اپنی تمام دولت تو پانی کی تکلیف دفع کرنے کے لئے دان کردی ہے۔ اب تمہاری گزراوقات کیسے ہو گی؟"

بندرابن نے شرمیلی ہنسی ہنس کر دیوار پر لٹکتی ہوئی جھولی دکھا کر جواب دیا "ماسٹر جی! وشنو کے لڑکے کو مٹھی بھر بھیک کی کہیں کمی نہ ہوگی۔ میری باقی زندگی اسی کے سہارے مزے میں کٹ جائے گی۔ پھر یہ جائداد تو میرے چرن کی تھی، میں نے اسے اُسی کے سنگی ساتھیوں کی بہتری کے لئے ہی دان کر دیا۔"

بابو درگا داس براہمن اور بوڑھے ہونے کے باوجود شرادھ کے دن سب کام خود ہی کراتے رہے تھے۔ اِس لئے کسُم کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے تھے، اُس کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگے "نہیں بھیا! یہ ٹھیک نہیں۔ تمہاری بات اَور ہے، لیکن بہو کے لئے یہ بڑی شرم کی بات ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

بندرابن نے سر جھکا کر کہا "وہ اپنے بھائی کے پاس رہے گی۔"

بابو درگا داس بندرابن کو اپنے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے اُسکی مصیبت اَور سب سے بڑھ کر اس کے گھر چھوڑنے کے فیصلے سے وہ بہت دُکھی تھے۔ روکنے کی آخری کوشش کرتے ہوئے بولے "بندرابن! تمہیں اپنی جنم بھومی چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں رہ کر بھی تو پہلے کی طرح سب کام ہو سکتے ہیں؟"

بندرابن کی آنکھیں بھر آئیں۔ اُس نے جواب دیا "اب بھیک

مانگ کر گزارہ کرنے کے علاوہ میرے لئے کوئی راستہ نہیں۔ لیکن وہ مجھ سے یہاں نہیں مانگی جائیگی۔ اِس کے علاوہ اِس گھر میں جہاں بھی میری نظر پڑتی ہے، وہیں مجھے چرن کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کا بنا ہُوا کوئی نہ کوئی نشان دکھائی دیتا ہے۔ ماسٹر جی! مجھے معاف کریں۔ مَیں بھی آخر انسان ہوں۔ میرا سر اِس پہاڑ کے سے بوجھ سے پس جائیگا؛"

بابو درگا داس غمگین ہو کر خاموش ہو گئے۔

جس ڈاکٹر نے چرن کا آخری وقت میں علاج کیا تھا۔ اُس دن کے دردانگیز واقعہ نے اُس کے دِل کو بھی بے چین کر دیا تھا۔ اُس ہیبتناک اَور عبرت انگیز واقعہ کا انجام دیکھنے کی خواہش نے اُس کے دِل کو بے چین کر دیا اَور بندرابن کے لئے اُس کے دِل میں جو زبردست کشش پیدا ہو گئی تھی وہ اُسے شرادھ والے دِن کلکتہ سے کھینچ کر وہاں لے آئی تھی۔ اب تک وہ تمام باتیں چپ چاپ سُنتا رہا تھا۔ بندرابن کے اتنے بڑے تیاگ کی وجہ تو کسی طرح اُس کی سمجھ میں آسکتی تھی، لیکن وہ کافی غور و فکر کے باوجود یہ سمجھنے میں ناکام رہا کہ کیشب اپنی مستقبل قریب کی ترقّی کو نظر انداز کر کے اِس ناچیز پاٹھشالہ کی ذمّہ واری اتنی خوشی سے اپنے سر کیوں لے رہا ہے؟ اُس نے حیران ہو کر اپنے دوست سے پُوچھا —— "کیشب، کیا تم واقعی اپنے روشن اور شاندار مستقبل کو چھوڑ کر اِس پاٹھشالہ میں اپنی تمام زندگی گزار دو گے؟"

کیشب نے جواب دیا "تعلیم دینا ہی تو میرا کام ہے"۔

ڈاکٹر نے کچھ جوش میں آ کر کہا ــــ "یہ تو میں بھی جانتا ہوں لیکن ایک کالج کی پروفیسری اور اس پاٹھشالہ کی پنڈتائی کیا دونوں برابر ہیں؟ بھلا میں بھی تو سنوں کہ اس میں تم اپنی ترقی کی کیا اُمید رکھتے ہو؟

کیشب نے اُسی طرح سنجیدگی سے جواب دیا "بہت اچھا انباش بابو! روپیہ پیسہ کمانا اور ترقی دونوں ایک نہیں ہیں"۔

"میں تسلیم کرتا ہوں، کہ ایک چیز نہیں ہیں۔ لیکن ایسے گاؤں میں رہائش رکھنا بھی ایک بہت بڑے گناہ سے کم نہیں، اُف اس کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!"

بندرابن ہنس پڑا اور کیشب کے جواب دینے سے پہلے ہی بول اُٹھا۔
"کیا یہ صرف گاؤں کا ہی قصور ہے۔ ڈاکٹر صاحب! آپ لوگوں کا نہیں؟ آج میری ابتر حالت کو دیکھ کر آپ کانپ اُٹھے ہیں۔ لیکن ایسی ہی ابتر حالت میں ہر سال کتنے ہی چھوٹے چھوٹے معصوم بچے، کتنے ہی انسان اور کتنی ہی عورتیں اپنے معصوم اور بلکتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں پہنچ جاتی ہیں۔ کیا اس پر کسی کی نگاہ گئی؟ اگر آپ پڑھے لکھے اور تہذیب و تمدن کے ٹھیکیدار ہم لوگوں کو جنگلی، جاہل، گنوار اور غریب کہہ کر نفرت اور بے رحمی سے چھوڑ کر نہ چلے جاتے تو ہم لوگ علاج معالجہ کے بغیر اور بھوک سے تڑپ تڑپ کر نہ مرتے۔ ڈاکٹر صاحب! بُرا نہ مانیئے گا۔ جو لوگ آپ کے کھانے کے لئے اناج پہننے کے لئے کپڑے رہنے کے لئے عالیشان مکان اور زندگی کی دوسری ضروریات مہیا کرتے

ہیں، وہ بدنصیب غریب اور جاہل انہی دیہات میں رہتے ہیں۔ ان کو پاؤں تلے روند کر آپ لوگوں کے اوپر چڑھنے کی سیڑھی تیار ہوتی ہے۔ کیشب نے ایم۔اے پاس کرنے پر بھی ترقی کے اس راستے سے مُنہ پھیر لیا ہے اور یہ سب اس نے اپنی خوشی سے کیا ہے۔

کیشب یکایک جذبات سے مغلوب ہو کر بندرابن کو درمیان ہی میں روک کر بولا "بندرابن! تم نے مجھے انسان بننے کا کتنا بڑا موقعہ دیا ہے! دس سال بعد تم ایک بار پھر مہربانی کر کے یہاں آنا اور دیکھ جانا کہ تمہاری جنم بھومی میں دولت اور تعلیم دونوں کی نہریں بہہ رہی ہیں یا نہیں"۔

بابو درگاداس اور ڈاکٹر انباش بابو دونوں ہی عقیدت اور حیرت سے اِن دونوں دوستوں کا مُنہ دیکھنے لگے۔

کل بندرابن صرف بھکشا کی جھولی لے کر باڈل سے چلا جائیگا اور گھومتا پھرتا کسی ایسی جگہ کی تلاش کرے گا جہاں رہ کر وہ از سر نو اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف ہو سکے۔ کیشب نے اسے کچھ دن اپنے گاؤں میں مزید ٹھہرنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ لیکن بندرابن نے اُس کی یہ بات ماننے سے انکار کر دیا، وہ دُکھ سُکھ اور رنج و راحت کا پُورا پُورا احساس کرنا چاہتا تھا۔

روانگی کی تیاری مکمّل کر کے اُس نے ٹھاکر پُوجا کا فرض پروہت اور کیشب کو سونپ دیا اور نوکر نوکرانیوں وغیرہ سب کا مناسب

انتظام کر دیا۔ اُس کی والدہ نے اپنے صندوق میں جو روپے جمع کر رکھے تھے، وہ سب روپے اُس نے انہی لوگوں میں تقسیم کر کے اُنہیں رخصت کر دیا۔

ابھی تک اُس نے کسم کی کوئی خبر نہیں لی تھی۔ اس نے اِس طرف توجہ دینے کی کوئی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔ جس دن اُس نے چمن کو اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا تھا اسی دن سے بندرابن کے دِل میں اُس کے لئے ایک طرح کی "بے التفاتی" کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ "بے التفاتی" چمن کی وفات کے بعد خواہش نہ ہونے کے باوجود نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اِسی لئے اُس نے یہ بات معلوم کرنا بھی ضروری نہیں سمجھی تھی کہ کسم کیوں آئی ہے؟ کس طرح آئی ہے؟ اور کس لئے ابھی تک یہاں ٹھیری ہوئی ہے؟ اُس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی آئی ہے اور کریا کرم کے بعد خود ہی چلی جائیگی۔ اُس کی موجودگی میں اگرچہ اکثر اوقات کسی کام کے متعلق بندرابن مجبور ہو کر کئی بار اس سے بات چیت بھی کر لیتا تھا لیکن اُس دن صبح کے علاوہ پھر کبھی اُس نے اُس کے چہرے کی جانب آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا تھا۔ دوسری طرف کسم نے بھی اُس سے بات چیت کرنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ لیکن اب جب روانگی کا وقت نزدیک آ گیا تو بندرابن کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا کہ کسم کب جائے گی۔ یہ بات دریافت کرنے کے اس نے ایک داسی کو کسم کے پاس اندر بھیجا اور خود باہر کھڑا ہو کر جواب کا انتظار کرنے لگا۔

داسی نے جواب دیا — اسے سب باتوں کا پتہ ہے۔
بندرابن نے اور بھی متعجب ہو کر کہا "اچھا تو پھر جا کر پوچھ آؤ کہ کیا وہ یہاں اکیلی ہی رہینگی ؟"

داسی ایک ہی منٹ میں پوچھ کر لوٹ آئی اور جواب دیا —
"ہاں"۔

اب بندرابن خود ہی اندر چلا گیا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ یکایک دروازہ کھول کر اُسے اندر داخل ہونے کی ہمّت نہ پڑی۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکتے ہی اُس کا جسم کانپ اُٹھا۔ جلے ہوئے گھر کی جلی ہوئی دیوار کی مانند کُسُم دروازے کی جانب مُنہ کئے کھڑی تھی، اور بے چین اور متجسّس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بندرابن آج پہلی دفعہ یہ دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا کہ بیٹے کا غم انسان کو کتنی جلدی کیا سے کیا بنا دیتا ہے ؛

دروازہ کھُلنے کی آواز سے کُسُم چونک پڑی اور آگے بڑھ کر اسے اچھی طرح کھولتے ہوئے بولی "اندر آ جاؤ"۔
بندرابن کے اندر داخل ہوتے ہی کُسُم نے دروازہ بند کر کے کُنڈی لگا دی اور اُس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ بندرابن کو شک ہُوا کہ شاید اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے، اور یہ پاگل ہو گئی ہے، یہ سوچ کر وہ کانپ اُٹھا کہ دیوانگی میں وہ نہ جانے کیا کر بیٹھے۔ لیکن کُسُم نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ وُہ گلے میں آنچل ڈال کر پتی کے چرنوں

میں مُنہ چھپا کر بیٹھ گئی۔ بندرابن کو خوف کے مارے ہلنے جُلنے کا حوصلہ نہ پڑتا۔ وہ چُپ چاپ وہیں کا وہیں کھڑا رہا۔

کُسُم بہت دیر تک اُسی طرح پڑی ہوئی گویا اُن چرنوں میں سے ازسرِنو زندگی حاصل کرنے لگی۔ بڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی اور پتی کے مُنہ کی طرف دیکھ کر بڑے زور سے سِسکیاں لیتی ہوئی بولی "سب کہتے ہیں کہ تم برداشت کر سکتے ہو، لیکن میرے دل میں تو دن رات بھیانک آگ بھڑک رہی ہے۔ مَیں اس سے کیسے بچوں گی؟ اور آپ کو چھوڑ کر مَیں مرونگی بھی تو کیسے؟"

اُس وقت دونوں کے دِلوں میں ایک ہی آگ سُلگ رہی تھی۔ بندرابن کے دِل کی نفرت جل کر راکھ ہوگئی۔ اُس نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "کُسُم! جس طرح مجھے تسکین ملی ہے، اُسی طرح تمہیں بھی ملے گی۔ اِس کے علاوہ تسکین کا اور کوئی ذریعہ نہیں"۔

کُسُم چُپ چاپ دیکھتی رہی۔ بندرابن نے پھر کہا: "کُسُم! مَیں جانتا ہوں کہ تم چرن سے کتنا پیار کرتی تھیں۔ اِس لئے مَیں تمہیں بھی اُسی راہ پر بُلا رہا ہوں۔ تمہارا چرن مرا نہیں، کھویا بھی نہیں، وہ صرف چھُپا ہُوا ہے۔ ایک دفعہ اچھی طرح دیکھنا سیکھ لوگی تو تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں جتنے لڑکے اور لڑکیاں ہیں ہمارا چرن اُن سب کے ساتھ ہے"۔

کُسُم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے پھر ایک بار پتی کے چرنوں میں اپنا سر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اُٹھا کر کہا "مَیں بھی آپ کے ساتھ چلونگی"

بندرابن نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔ "میرے ساتھ؟ یہ ناممکن ہے"۔

"نہیں، بالکل ممکن ہے، میں چلونگی"۔

بندرابن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "کس طرح چلوگی، کسم؟ میں تمہاری پرورش کس طرح کرونگا؟ اپنے لئے بھیک مانگ سکتا ہوں، لیکن تمہارے لئے تو نہیں مانگ سکتا، اور پھر اس کے علاوہ تم پیدل کس طرح چلوگی"؟

کسم نے اونچی آواز میں جواب دیا۔ "میں اچھی طرح چل سکتی ہوں۔ یہاں بھی تو پیدل چل کر ہی آئی ہوں اس کے علاوہ میں تمہیں بھیک نہیں مانگنے دونگی۔ خواہ وہ بھیک تمہارے اپنے لئے ہو یا میرے لئے ہو ——— تم صرف اپنا کام کرتے جانا۔ میں ضروریات زندگی حاصل کرنا بھی جانتی ہوں اور گھر گرہستی چلانا بھی، اپنے بھائی کا گھر آج تک میں ہی سنبھالے رہی ہوں"۔

بندرابن سوچنے لگا ——— کسم نے کہا۔ "سوچنا فضول ہے۔ میں ضرور چلوں گی۔ میں پہلے ہی اپنی بیوقوفی اور کم عقلی سے اپنا بیٹا کھو چکی ہوں۔ اب پتی کو کھونا نہیں چاہتی"۔

بندرابن نے کچھ دیر سوچ کر پوچھا۔ "میرا جیون جو راستہ میرے لئے منتخب کر گیا ہے۔ کیا تم بھی اس خاردار راہ پر چل سکوگی"؟

کسم نے تحمل اور استقلال سے جواب دیا۔ "ہاں چلوں گی"۔

"اچھا تو پھر چلو"۔ یہ کہہ کر بندرابن نے اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔ اور ——— صبح فرائض کیشٹ کو سونپ کر وہ اسی رات کسم کو لے کر باڑہ سے چل دیا۔